طنزیات و مضحکات

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

قیمت مجلد ساڑھے تین روپئے

قیمت غیر مجلد تین روپئے

طنزیات و مضحکات

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
The Hindustani Academy, (U.P.)
ALLAHABAD

Printed by
S. S. Srivastava at the K. P. Press,
ALLAHABAD

اپنے "کالج" کے نام

(جسکے فیضان نے کسی دوسرے کے فیضان کا محتاج نہ رکھا)

عرض حال

اس مقالہ کی ترتیب و تدوین کی شان نزول عبرت ناک حد تک دلچسپ ہے یعنی یہ فہمائش پر لکھی گئی ' فرمائش پر طبع کرائی گئی اور .... بخشائش کی توقع ہے !

اسے لوگ مختلف نظروں سے دیکھیں گے ' دوست خوش ہونگے دشمن ناخوش اور ایماندار خاموش .... ہمارے مخاطب صحیح ان میں سے ایک بھی نہیں - مخاطب صحیح مرشد ہیں جنہوں نے ایکبار شدید گرسنگی اور نیم غنودگی کی حالت میں فرمایا '' میاں ' دیکھو '' کوہ کندن و کاہ بر آوردن '' اور '' گور کندن و استخواں بر آوردن '' دونوں مہمل ' زندگی کی تعبیر فضا سے کی جاتی ہے نہ کہ واقعات و حادثات سے '' اتنا ہی کہکر خراٹے لینے لگے اور رشد و ہدایت کا دروازہ ' ہم پر بند ہو کر ان لوگوں پر کھل گیا جن کی زبان ہماری زبان سے بالکل مختلف تھی اور شاید سماعت ہماری سماعت سے زیادہ بطی الحِس !

حتي الوسع مرشد کي ہدايت پر عمل کرنے کي کوشش کی گئی ہے (نئي دنیا کی فضا پیش کي گئي ہے نہ یہ کہ کولمبس کیا تھے کون تھے اور کیا ہوئے - اس مقالہ کي ترتیب و تدوین مین بھي اُصول مد نظر رکھا گیا ہے)- جہاں تک ایشیائی زبانوں

کا تعلق ھے (گو ایشیائی زبانوں مین میری معلومات اردو ، فارسی اور ایک مشتبہ حد تک عربی ھی تک محدود ھیں) تاھم اس کا کیا علاج ؛ جب تک اپنی معلومات یا تجربات کو ساری کائنات پر محیط نہ سمجھئے (واقعہ کی صحت یا عدم صحت ، کا سوال نہیں) اس وقت تک نہ اپنا نفس خوش ھوتا ھے نہ دوسروں پر رعب پڑتا ھے ، طنزیات کا فن اور ادب بالکل ابتدائی مراحل میں ھے ابتدائی مراحل کو یہاں " ناقص " کا مرادف ھے تاھم بعض وقت ناقص کو ناقص کہنا انشاپردازی اور بھلمنساھت دونوں کے منافی ھوتا ھے اور ان میں سے کم سے کم ایک جزو ضرور ایسی چیز ھے جس کا میں حامل نہیں تو موئد ضرور ھوں -

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اگر طنزیات و مضحکات کے فن اور انشا و ادب کو ھندوستان میں کبھی ایسا فروغ نصیب ھوا جو دیگر مکمل اور ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلہ میں قابل اعتبار و اعتنا ھو تو اُس کی حامل یقیناً اُردو ھوگی - اُردو کی طرف سے لوگ مایوس ھین لیکن لوگوں کی مایوسی اکثر فیشن ، مراق اور افلاس کے باعث بھی ھو سکتی ھے - فن اور ادب کبھی مایوس نہیں ھوتے - میں تفصیل میں پڑنا نہیں چاھتا - یہاں بحث صرف طنزیات و مضحکات سے ھے - اس وقت اِس کے اچھے لکھنے پڑھنے والے موجود ھیں اور ایسے اچھے کہ وہ جبراً یا اخلاقاً بھی مایوس ھونا نہیں چاھتے - جب اُردو مایوس نہیں تو اُردو لکھنے پڑھنے والے کیوں مایوس ھوں -

میں نے ابھی کہا تھا کہ طنزیات کا فن اور ادب اُردو میں ابھی ایک حد تک ناقص ہے - ناقص ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ برا ہے - ناقص سے میری مراد 'نا مکمل' سے ہے - جیسی اب سے کچھہ قبل بڑی حد تک ہماری اُردو شعر و شاعری تھی اور اب بھی ہے لیکن صرف کسی حد تک - مجھے اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں اور اتنا دور تو یقیناً نہیں ہے جتنا کہ آزادی ہند 'جب اُردو میں طنزیات' مضحکات اور مطائبات کا پایہ کم سے کم اُس سے تو بلند تر ہوگا جتنا لیگ آف نیشنس (انجمن اقوام) میں آج ہندوستان کا ہے!

غرض کہ جس طرح طنزیات کا فن اُردو میں ابھی '' ناقص '' یا '' نامکمل '' ہے ٹھیک اسی طرح یہ مقالہ بھی ناقص یا نا مکمل ہے - ورنہ شاید فن سے کامل ہم آهنگی نہ ہو سکتی! اس میں بعض حضرات کا ذکر جہاں ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے وہاں بعضوں کا ذکر ہی سرے سے نہیں آیا - کمی بیشی کو متوازن رکھنے یا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے - سنتے ہیں موھنجودارو کے قریب ایک افیونی رہتے تھے - ایک دن معلوم نہیں جی میں کیا سمائی کہ روزہ رکھہ لیا ابھی پورے طور پر دن بھی نہیں چڑھا تھا کہ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھوڑی دیر تک تو انتظار کرتے رہے -

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق

آخر میں شبنم حیات کا ایک گھونٹ لے ہی لیا ' اور انتہائی قطعیت کے ساتھ بہ لحن نون غنہ فرمایا '

"روزہ رکھنے کا ثواب، اور روزہ توڑنے کا عذاب برابر، اور یاروں کا روزہ مفت!" اگر یہ فیصلہ صحیح ہے تو یہ واقعہ بھی غلط نہیں، کہ۔

بعض لوگوں کا تذکرہ ضرورت سے زیادہ طویل اور بعضوں کا سرے سے غائب، دونوں برابر اور یاروں کی تصنیف مفت! انشاپردازی کا "یہ تاریخی" نہیں "مساحتی" تصور ہے مولانا محمد علی مرحوم، مولوی ولایت علی (بمبوق) مرحوم، چودھری محمد علی رودولوی کے مضامین باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے اور جو ملے وہ ٹھیک طنزیات کے تحت میں آتے نہ تھے اس لیے نظر انداز کردئے گئے۔

مجھے اس مقالہ کے ترتیب میں اپنے بعض عزیز دوستوں اور بزرگوں سے نہایت گرانقدر مدد ملی ہے۔ امداد کی نوعیتیں مختلف تھیں مثلاً کسی نے بات بتائی، کسی نے تردید کی، کسی نے مسودہ دیکھا، کسی نے پروف پڑھا، کسی نے غلط نامہ مرتب کیا، کسی نے واہ واہ کی، کسی نے کام جاری رکھنے اور ختم کرنے پر مسلسل اصرار کیا، کسی نے قرض دیا اور نہیں مانگا اور کسی نے قرض لیا اور نہیں دیا۔

اسماء گرامی حسب ذیل ہیں (علی الترتیب نہیں!)

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، ام-اے، (علیگ) پی-اچ-ڈی-دہلی۔

۲۔ اصغر حسین صاحب اصغر، مدیر ہندستانی، ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد۔

۳ - خواجہ منظور حسین ، (ام - اے ، علیگ) ، بی - اے
(آکسن) علی گڑہ -

۴ - سید بشیرالدین احمد ، ام - اے ، (علیگ) -
اسسٹنٹ لائبریرین علی گڑہ -

۵ - مولٰنا ابوبکر محمد شیث فاروقی صاحب ، ناظم
دینیات ، علی گڑہ -

۶ - ڈاکٹر اصغر علی حیدر ، بی - اس سی ،
پی ایچ - ڈی علی گڑہ -

۷ - حکیم شیخ محمد ممتاز حسین ، اڈیٹر اودہ پنچ ،
لکھنؤ -

۸ - ڈاکٹر عبادالرحمن خاں ، بی - اے ، پی ایچ - ڈی ،
علی گڑہ -

۹ - آل احمد سرور ، بی - اے - مدیر علی گڑہ میگزین
علی گڑہ -

زبان سے انکا شکریہ ادا کرچکا ہوں اب قلب اور قلم سے
دعائیں نکلتی ہیں ۔

شرف قبول کا ملتجی و منتظر
رشید احمد صدیقی
مسلم یونیورسٹی علی گڑہ

فہرست کتب محولہ

مقالہ زیر نظر کی ترتیب میں حسب ذیل کتب
سے استفادہ کیا گیا ہے

1. لباب الالباب

2. تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

3. منتخب لطائف عبید زاکانی

4. The Press and Poetry of Modern Persia by E. G. Browne.

5. History of Persian Literature by E. G. Browne

6. Biographies of Persian Poets by ,, ,,

7. Essays on the origin and Progress of Satire by Dryden.

o. English Satires by Smeaton.

9. Selections from the British Satirists by Cecil Headlam.

10. Satire by Cannan.

11. شعر العجم از علامہ شبلی نعمانی

12. تذکرہ خندۂ گل مرتبہ مولٰنا عبدالباری آسی صاحب

13. متعدد رسائل اور متفرق مضامین اردو

اُردو طنزیات و مضحکات

"ایک سؤر کو اِس سے بھی زیادہ مکروہ شکل میں پیش کرنا جیسا کہ خود خدا نے اس کو بنایا ہے طنز یا تضحیک (سٹائر) ہے۔"

(چسٹرٹن)

"بعض تعریفیں (Definitions) صحیح ہوتی ہیں اور بعض محض دلچسپ، لیکن سب سے زیادہ موثر وہ ہوتی ہیں جو برجستہ ہوں۔"

(مرشد)

انتباہ :— "از دشنام گدایاں وسیلئی زناں و زباں شاعراں و مسخرگاں مرنجید۔"

(عبید زاکانی)

ہماری آپ کی جان سے دور، قرون اولیٰ میں یونانیوں کے دو مقتدر دیوتا تھے، اِلٰہۃ الفلاحت اور اِلٰہۃ الخمر اور حقیقت یہہ ہے کہ اس دور کی خصوصیات اور میلانات کو فسانۂ طنزیات مدنظر رکھتے ہوئے اِن دو دیوتاؤں کے علاوہ ذہن انسانی میں کسی اور کی گنجائش بھی نہ تھی۔ انسان واہمہ پرست اور خلقتاً کمزور واقع ہوا ہے، اِس لئے کسی طاقتور (یا مافوق العادت) ہستی کا سہارا ڈھونڈھنا اُس کی فطرت ہے۔ ہر وہ وحشی یا نیم وحشی انسان جس کو اپنی ضرورت کا احساس تھا اپنے فکر اور عمل کے اعتبار سے مذہبی یا توہم پرست تھا اور اب بھی ہے اور حقیقت یہہ ہے کہ انسان اپنی انتہائی تہذیب اور ترقی کے باوجود آج بھی توہم پرست ہے، وہ صرف مخلوقِ خداوند کا معتقد ہے۔

انسان کے عہد اولین میں یقیناً ایسے مواقع بھي آتے ہوں گے جب اُس کو ہر قسم کي عافیت اور کامراني نصیب ہوتي ہوگي ، مثلاً غلہ پکنے کا وقت ، خرمن جمع کرنے کا موقع ، موسم کا اعتدال ، فضا کي دلکشي ، صحت یا خوشگواري وغیرہ ، اُن مواقع پر اُس کي مسرت اور نشاط میں ایک طرح کا هیجان ہوتا ہوگا اور وہ معمولي سے زیادہ اُس کا اظہار کرتا ہوگا - ظاہر ہے یہي مواقع رفتہ رفتہ عید الجماعت میں منتقل ہوتے ہوں گے -

ہر عید یا تیوہار اپنے وجود کے اعتبار سے دو پہلو رکھتا ہے ، ایک مذہبي ، دوسرا تفریحي - کسي تیوہار کی مثال لے لیجئے اُس کي تاریخ اس حقیقت کي ترجمان ہوگي ، دن کا کچھہ حصہ عبادت یا نذر نیاز میں اور بقیہ سیر و تفریح ، ملنا جلنا ، دید و بازدید میں صرف ہوتا ہے - اِن حالات کے ماتحت آپ اہالیان یونان کي ابتدائي زندگي کا جائزہ لیں ، اُن کے دو مخصوص اور محبوب دیوتاؤں اٰلہۃ الفلاحت اور اٰلہۃ الخمر تھے ، جن کے نام پر نذریں اور قربانیاں تہدیہ کي جاتي تھیں - اِس نذر نیاز کا بیشتر حصہ غلہ اور شراب ہوتا تھا - یہہ مراسم ختم ہو لیتے تو رنگ رلیوں کا دور آتا جس میں عورت ، مرد ، بچے ، بوڑھے ، جوان ، سب ہي شریک ہوتے - ہنسي ، دلگي ، مذاق ، تمسخر ، پھکڑبازی ، طعن و طنز ، سب و شتم ، برہنگي و بے راہ روی ، سب ہی کچھہ ہوتا ، جن کو آج آپ آرٹ اور آزادي سے بھي موسوم کر سکتے ہیں اور بربریت اور بے حیائي سے بھي ، فرق صرف زمان و مکان کا ہے ، افعال و افکار کا نہیں -

طنزیات کی ابتدا انہیں بدمستیوں اور برہنگیوں سے ہوئی ہے - یہاں اس امر کا بھی جائزہ لے لینا چاہئے کہ یہہ ہنسی دلگی یا سب و شتم کس نوعیت کا ہوتا ہوگا؟ غالباً اس حقیقت سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ جب انسان کے جذبات میں تموج ہوتا ہے اور اس پر ایک ہیجانی کیفیت طاری ہوتی ہے اُس وقت اُس کا لب و لہجہ ہی نہیں بدل جاتا بلکہ ایسی حالت میں اُس کے لب و زبان سے جو کلمے ادا ہوئے ہیں وہ اپنی ترکیب اور بندش کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں؟ لب و لہجہ اور ترکیب و بندش کی یہہ عجیب نوعیت؟ فن شعر و شاعری میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے جس کا اصطلاحی نام ہم نے اوزان اور قافیہ اور ردیف رکھ دیا ہے؟ آواز اور الفاظ کی اُنہیں مختلف نوعیتوں کو ہم موسیقی سے بھی تعبیر کرتے ہیں - یہہ اصطلاحی اوزان در حقیقت ہمارے متلاطم جذبات کے اوزان ہیں جن سے ہم گریز کر سکتے ہیں؟ لیکن انکار نامسکن ہے؟* چنانچہ عہد قدیم کے یونانی اُنہیں رنگ‌رلیوں میں جو طعن و طنز؟ سب و شتم؟ ہنسی دلگی؟ پھکڑ یا فحاشی پر مشتمل ہوتی تھیں ایک قسم کے بے ربط وزن کا بھی التزام ہونے لگا جس نے مرور ایام سے نظم کا جامہ اختیار کر لیا - یہی سبب ہے کہ یونان اور روم کے جتنے مشہور ہجوگو ہوئے وہ سب کے سب شاعر تھے - عربوں کے یہاں بھی ہجو کی تعریف و تشریح میں جو کچھہ کہا گیا ہے وہاں نظم کی شرط ایک حد تک لازمی قرار دے دی گئی ہے - عربوں میں ہجا سے مراد وہ اشعار ہیں جن میں کسی قوم؟ کسی فرد؟ کسی جماعت یا کسی کی منقصت کی گئی ہو -×

x موجودہ ناقدین میں یہہ امر متنازعہ فیہ ہے کہ اہالیاں روم نے یونانیوں سے طنزیات اخذ کیا یا یہہ خود اُنھیں کے افکار دماغ کا نتیجہ

رومن اور لاطینی طنزیات

ہے - جولیس اسکیلیگر (Julius Scaliger) اور ھنسی‌اس (Heinsius) اول الذکر خیال کے علمبردار ھیں ؛ ریگل شی اس (Regaltius) اور کیسبن (Casaubon) موخر الذکر نظرئے کے معتقد ؛ لیکن قبل اِس کے کہ اُن عقائد سے بحث کی جائے اِس امر کا اظہار ضروری ہے کہ لعن و طعن یا سب و شتم ہر قوم میں خود بخود نشو و نما پاتے ھیں - اِس لئے یہہ بحث کہ اس فن کو اہالیاں روم نے یونان سے حاصل کیا یا اسباب خاص میں یونانی اہالیاں روم سے مستفید ہوئے ایک حد تک بے سود اور غیر متعلق ہے - اسکیلیگر کو اصرار ہے کے یہہ چیز یونان سے روم کو منتقل ہوئی اور ثبوت میں یہہ حقیقت پیش کرتا ہے کے لفظ سطائر (Satire) طنز یا ھجو کے مفہوم میں سطیرس (ایک قسم کا مختلف الاعضا جانور) یا بقول دیگر اُلہۃ الفلاحت سے (جس کی ھیئت بکرے اور آدمی کی شکل سے مرکب تھی) ماخوذ ہے - دوسری طرف کیسبن اور اُس کے مقلّدین اِس مفہوم سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ھیں - کیسبن کا دعوی ہے کہ سطیرس سے سطیرا نظم کے مفہوم میں اخذ نہیں کیا جاسکتا ؛ کیونکہ سطیرا اسم نہیں بلکہ صفت ہے ؛ نظر براں اُس کو سطائر نہیں بلکہ سطائری کہہ سکتے ھیں ؛ دوسری طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاھئے کہ اُلہۃ الخمر اور اُلہۃ الفلاحت کے لئے سال کی اولین مختلف زرعی پیداوار ایک چنگیر میں بطور نذر اور تہدیہ پیش کی جاتی تھیں - اِس چنگیر کو (Satura laux) کہتے تھے - نظر براں "سطائر" کا مفہوم ایک ایسی نظم سے بھی

وابستہ کیا جا سکتا ہے جس میں مختلف اقسام کی پست اور رکیک طعن و طنز مختلف بحروں میں ادا کی جاتی ہوں -

یونانیوں کے یہاں ایک اور چیز بھی تھی جسے وہ سِلّی (Silli) کہتے تھے ، یہہ ایک طرح کی دشنامی نظم ہوتی تھی اور رومن سطائر سے مشابہہ تھی - طیمون (Timon) نے جو سِلّی لکھی تھی اُس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں پروڈیز (ایک قسم کی مضحک تضمین) بھی مقبول تھی جس میں کسی معقول اور سنجیدہ نظم کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیرکر مضحک بنا دیتے تھے - لیکن اُس کے ساتھہ اِس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاھئے کہ یہہ صنف کلام اھالیان روم میں بھی عام تھا - آسونیس (Ausonius) نے جو قطعات لکھے تھے اُس میں ورجل (Virgil) کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیر کر پوری نظم کو مضحک بنا دیا تھا - لسان العصر اکبر مرحوم کی بعض نظمیں بھی اِس قسم کی ھیں جن میں حافظ کے بعض اشعار یا غزلوں کو اِس طور پر اُلٹ پلٹ دیا ہے اور ایسے مصرعے چسپاں کر دئے ھیں کہ پوری نظم دلچسپ اور مضحک بن گئی ہے - قونطلین (Quintilian)) اور ھوریس (Horace) کا یہہ بھی دعویٰ ہے کہ طنزیات کی تکوین اور نشو و نما لاطینی فضا میں ھوئی ہے اور وھیں سے یہہ یونان کو منتقل ھوئی ھیں -

طنزیات کے سلسلہ میں اب تک جو کچھہ بیان کیا گیا ہے اِس سے ایک طور پر یہہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقت ڈراما اور تھیٹر کے اولیں اشارات اُنھیں رنگ‌رلیوں ، قربانیوں اور فحاشیوں سے وابستہ ھیں جو تمدن اور معاشرت کے عھد اولیں

میں برسرکار تھیں اور یہہ کچھہ تھئیٹر اور ڈراما ھی پر منحصر نہیں ھے بلکہ خود موجودہ عہد کے جتنے مہذب یا غیر مہذب رسمیں ، مذھبي یا روائتي عید یا تیوھار ھیں اُن سب کا تاریخی اور نفسیاتي پہلو ، عہد اولیں کے اُنھیں معتقدات نظری یا عملي سے وابستہ ھیں -

مرور ایام سے معاشرت اور مذاق میں بھي انقلاب پیدا ھوا ، اور وھی چیز جو کسي وقت غیر مرتب اور غیر منظم صورت میں موجود تھي نسبتاً مرتب اور منظم نظر آنے لگی - فیسنائین (Fescennine) جو کسي وقت وزن اور قافیہ سے بالکل معرّا تھی ، اب اِن صفات کی حامل ھوکر زیادہ وسیع اور مقبول بن گئي - یہاں تک کہ جولیس سیزر نے جب گالس پر فتح پائي اُس وقت یہہ عسکریوں کي زبان پر تھي ، لیکن ابھی اُس کو وہ رتبہ نہیں نصیب ھوا تھا کہ مہذب حلقوں میں باریاب ھو سکتي - لیکن کچھہ بعد زمانہ کے تصرّف سے اُن پر کسي قدر تمیز و تہذیب کا عمل ھوا اور رفتہ رفتہ فحش اور سوقیانہ عنصر بالکل حذف کر دیا گیا - یہہ گویا طنزیات کے علم و فن کا بحیثیت علم و فن کے اولین سنگ منزل تھا ، روم کے اسٹیج پر طنزیات کو ایک مستقل وجود کي شکل میں پیش کرنے کا سہرا لوي اس انڈرونیقاص (Livous Andronicus) کے سر ھے - یہہ ایک یوناني نژاد غلام تھا جس کو اُس کے آقا نے روم کے آزاد شہری بن جانے کا شرف عطا کیا تھا - انڈرونیقاص اپنے وطن کے طور طریقے مطالعہ کرچکا تھا ، اِس لئے روم کے اسٹیج پر بھي اُس نے اُنھیں خد و خال کو نمایاں کرنا شروع کر دیا جو یونان کے امتیازی خصوصیات تھے - بعضوں کا تو یہاں تک خیال ھے کہ روم میں اِس نے یوناني اسٹیج کے طور طریقے ھی نہیں نمایاں کئے بلکہ یہاں کے طرز انشا اور طریقۂ تصنیف پر بھي یونانی نقوش ثبت کر دئے - اِس نظریہ

کے تسلیم کرنے میں یوں تامل نہیں کر سکتے کہ اُس کی بزمیہ (کومیڈی) ارسطافینس کی تصانیف کی آئینہ ہے - اِس طور پر گویا روم کی تاریخ طنزیات میں تین مراحل نہایت نمایاں نظر آئیں گے -

(۱) وہ طعن و طنز جو ابتدا میں محض برجستہ فحاشی، پھکڑ اور رنگ رلیوں پر مشتمل تھی؛

(۲) وہ درمیانی زمانہ جب طنزیات میں سے فحش اور سوقیانہ عنصر حذف کر دیا گیا اور ہر قسم کی بے محابا رنگ رلیوں میں کسی قدر سلاست اور سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی - یہہ گویا ایک قسم کی بے ہنگام نقالی اور ہزالی کا دور تھا جس میں نہ تو ابتدائی عہد کی فحاشی اور رکاکت تھی اور نہ بعد کے تماشوں کی تہذیب اور تنظیم -

(۳) لوی اِس اندرونیقاص کا دور جس نے طنزیات کو ایک مستقل حیثیت دے کر اسٹیج کے قابل بنا دیا اور جس کے متعلق یہہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُس نے یونانیوں کی قدیم بزمیہ کا احیاء کیا -

لوی اِس اندرونیقاص کو روم میں اسٹیج قائم کئے ہوئے ابھی نہایت مختصر زمانہ گذرا تھا کہ اینی اس (Ennius) پیدا ہوا - اُس نے اپنے ہموطنوں کی ذہانت اور طباعی کا پورے طور پر احساس کیا اور اِس نتیجہ پر پہونچا کہ جہاں تک طنزیات کا تعلق اسٹیج سے تھا اُس کی بعض نوعیتیں قابل گرفت تھیں - نظر براں سب سے پہلے اُس نے یہہ اصلاح پیش کی کہ رکاکت اور عامیانہ پن

کا عنصر کلیۃً حذف کرکے اُس کو لطیف اور سلیس‌تر بنا دیا جائے - اُس نے یہہ التزام بھی کیا کہ آیندہ سے اُس میں علمی آب و رنگ کا اضافہ بھی کر دینا چاھئے - بالفاظ دیگر اُس کو ایسا جامہ پنھانا چاھئے کہ اُس کا مشاھدہ ھی نہیں بلکہ مطالعہ بھی کیا جا سکے - اندرونیقاص کی تمام تصانیف اِن اساسی اصلاحات کی حامل ھیں -

ڈیسیر (Dacier) کا خیال ھے کہ اینی اس کے سامنے لویس اندرونیقاص کی تصانیف نہ تھیں جس کی تمامتر بنیاد یونانی بزمیہ پر تھی بلکہ یہہ رومن سطائر کا خوشہ چین ھے - لیکن ڈرائڈن کو اِس نظریہ سے اختلاف ھے - اُس کا بیان ھے کہ اینی اس کی تصانیف کا ماخذ یونانی بزمیہ اور اُس کی دلنشین نوک جھونک ھے جس کا مظہر اندرونیقاص کی تصانیف تھیں - دوسری طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اینی اس کو اطالوی تھا لیکن یونانی السنہ کا زبردست عالم تھا - یہاں تک کہ اُس کا عقیدہ تھا کہ ھومر کی روح نے اُس کے کالبد کو اپنا نشیمن بنا لیا تھا - نظر براں یہہ تسلیم کرنا حقیقت سے دور ھوگا کہ اُس نے اپنے ھموطنوں کے مزخرفات اور دھقانیت سے استفادہ کرنا کبھی گوارا نہ کیا ھوگا - بہر حال اُس نے یونانی بزمیہ سے استفادہ کیا یا اُن بے‌محابا اور بےھنگام نقالیوں یا فحاشیوں سے فائدہ اُٹھایا ھو جو روم میں عروج پر تھیں - یہہ امر مسلمہ ھے کہ اینی اس رومن طنزیات کا اولیں مصنف ھے -

اینی اس کا بھانجا لوسی لیس (Lucilius) اُس کے بعد پیدا ھوا ؛ اِس لئے اپنے ماموں ھی کے نقش قدم کو اپنا خضر راہ بنایا - یہہ بھی ممکن ھے کہ اینی اس نے اُس کی تعلیم و تربیت

اپنے مخصوص نہج پر کی ہو - لوسی لیس کے دوران حیات ہی میں بقوویس (Pacuvius) نمودار ہوا - اس نے اِسی یونانی بزمیہ کو لطیف تر پیرایہ سے اختیار کیا جس کا اولین رومن طنزیات میں اندرونیقاص کے عہد تک وجود نہ تھا - ہوریس کا خیال ہے کہ لاطینیوں میں اولین طنزی شاعر لوسی لیس ہے - لیکن ڈرائڈن کا بیان ہے کہ اُس نے اپنی اس کی طنزیات میں صرف ایک قسم کا بانکپن پیدا کر دیا تھا - اور یہ خیال بعید از قیاس ہے کہ خود لوسی لیس نے کسی قسم کی طنزیات وضع کی - مگر زمانہ کی رفتار کے ساتھہ ساتھہ جوں جوں رومن زبان زیادہ سنجیدہ اور سلیس ہوتی گئی اُس میں یونانی زبان کی شیرینی اور لطافت قبول کرنے کی صلاحیت بڑھتی گئی ؛ بایںہمہ ہوریس اور قونطلین دونوں لاطینی طنزیئین میں لوسی لیس کو فضل تقدم دیتے ہیں -

یہاں طنزیات کی ایک دوسری صنف کو بھی بیان کر دینا مصلحت سے خالی نہ ہوگا ؛ طنزیات کی یہہ قسم بھی قدما کی میراث ہے اور اُنھیں سے منتقل ہوتی آئی ہے - عام طور پر اُس کو وارونی طنزیات کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن وارو (Varro) جس سے اس قسم کی طنزیات وابستہ کی جاتی ہے اُس کو مینپّی (Menippian) بتاتا ہے - روم کی دنیاے ادب میں وارو علامۂ اجل تصور کیا گیا ہے - یہہ مینیپس (Menippus) کا متبع تھا جو فلسفہ کلبی کا معتقد تھا - اپنی اس کی طنزیات کی مانند وارونی طنزیات میں نہ صرف مختلف اقسام کی نظمیں شامل تھیں بلکہ اُس میں نثر کی بھی آمیزش تھی - واروني طنزیات اب تقریباً لاپتہ ہیں

سوا ان چند مختلف اجزا کے جو اپنے مفہوم اور معني کے اعتبار سے بالکل مسخ هو چکي هیں - خود وارو کا بیان هے که اُس نے اپني تصانیف میں نه صرف مطائبات اور مضحکات کو دخل دیا هے بلکه اُس میں فلسفہ کے پیچید اور دقیق مسائل بهي داخل کردئے هیں وارو کے متبعین میں سے ایک بطرونیس اربطار (Petronius Arbiter) هے جس کي تصانیف کے متعلق کها جاتا هے که هالینڈ میں شائع هوئي هیں دوسرا سینیکا (Seneca) هے جس کی متعدد تصانیف مثلاً کلاڈیس (Claudius) اور سیمپوزیم (Symposium) وغیره هیں - دور جدید میں اریسمیس (Erasmius) اور بارکلے وغیره گزرے هیں - انگریزي ادب میں وارونی اتباع کا پهلو که اس میں نثر کا حصه بهي شامل هوتا تها صرف اسپنسر (Spenser) اور ڈرائڈن (Dryden) کے بعض تصانیف میں نظر آتا هے -

رومن طنزیات کے بعض اهم پهلوؤں سے آشنا هونے کے بعد یه ضروري هے که چند مشهور اور مستند لاطینی طنزیئین مثلاً هوریس، جوونل اور پرسي اس کے طرز کلام پر ایک مختصر تنقیدی نظر ڈال لي جائے تاکه آینده ان لاطیني طنزیئین کے تذکره کا جب موقعه آئے اور ان کا حواله دیا جائے تو مفهوم آساني کے ساتهہ ذهن نشین هوسکے -

هوریس، جوونل اور پرسي‌اس

اسیمٹن (Smeaton) کا قول هے که هوریس جوونل اور پرسي‌اس هر ایک نے کم و بیش لوسي‌لیس (Lucilius) کے طنزیات سے استفاده کیا هے - هوریس نے اس فن کو اوج کمال پر پهونچا دیا - اُس نے لوسي لیس کي طنزیات کو ان مخصوص حالات اور

واقعات رسم و رواج اور طور و طریقه کا هم آهنگ بنادیا جو عهد آگسٹس (Augustus) کے امتیازات خصوصي تھے - هوریس نے اپنے سنجیده اور شگفته مذاق طعن و طنز میں ایک قسم کا مذهبي تقدس پیدا کر دیا تھا - آگسٹس کے عهد حکومت میں غیر ملکي عنصر جسقدر غیر ملکي عنصر پر غالب هوگیا تھا اور روم کي مهتمّ‌بالشان سیرت خصوصی پر جیسا کچھه اُس کا مذموم اثر پڑ رها تھا، هوریس نے اُن پر نهایت دلگداز حملے کئے هیں - کبھي یه محسوس هوتا هے کہ وہ اس طغیان اور عصیان کا ایک ناقد اور مبصر کي حیثیت سے مطالعه کررها هے؟ کبھي یه معلوم هوتا هے که وه خود اس عصیان زار میں گردش کھا رها هے - اس کے بعد یکایک اُس کا لهجه بدل جاتا هے اور وه سوسائٹي کي سفاهت اور شقاوت اور اُس کي بے بصري کا ماتم کرنے لگتا هے جو مسائل حیات کي حیات بخش پاکیزگیوں کي طرف سے برتے جاتے تھے - هوریس کا یهی نمونه اکبر مرحوم کے کلام میں ملتا هے - هوریس کے مانند اکبر مرحوم بھي اسطور پر کهتے تھے گویا صرف مذاق و مزاح کو دخل دے رهے هیں - وه سب کچھه هنس هنس کر اور هنسا هنسا کر کهتے سنتے تھے -

پرسي‌اس (Persius) فلسفه زینوني کا معتقد تھا - اس کي تمام‌تر تصانیف اسي عقیده کي ترجمان هیں - وه صداقت کا علمبردار تھا وه بھي اسطور پر که اُس کے هر لفظ سے خلوص اور سنجیدگي کا اظهار هوتا تھا - رومن طنزیات کي تزئین اور تهذیب کا سهرا پرسي اس هي کے سر هے - اور یه پهلا شخص هے جس نے اس راز کا انکشاف کیا که طنزیات کي کامیابی اور کمال کے لئے لازم هے که صرف ایک هي موضوع اور مضمون هو - ایک فرد خاص هو جس میں

اگر دوسرے عیوب ظاهر بھي هوں تو محض سر سري طور پر سرزنش کر دیجائے - پرسي اس کے وضع کئے هوئے یه وه اصول تھے جنکی پیروی انگریزي ڈراما نے کي هے یہاں بھي صرف ایک هي ترتیب اور تنظیم هوتي هے اور ایک ضمني پلاٹ هزل اور نقالي کا بھي هوتا هے تاهم وه اصل واقعه یا موضوع سے رهنموں رهتا هے - هوریس کے یہاں یه خصوصیت نہیں پائي جاتي ' لیکن اُس کے متبعین اِسي سلسله میں یه دلیل پیش کرتے هیں که اُس کے یہاں وحدت اور یکتائي موضوع کی یوں ضرورت نه تھي که "سطائر" کا لفظ هي عبارت هے ایک ایسے طباق یا چنگیر سے جس میں مختلف اقسام کا غله اور پھل هو - پرسي اس نے رومن ڈراما میں جو جدت پیدا کي تھي اور جس کا تذکره اوپر کیا گیا هے ' اُسی کو فرانس کے مشهور نقاد بوائلو (Boileau) نے بھي خضر راه بنایا هے - جوونل نے پرسي اس کي تقلید کي هے یه بھي محض ایک هي نقص یا عیب کو مخصوص کر لیتا تھا اور اِسي کي سرزنش پر اپني پوري قوت صرف کرتا تھا - جوونل کي طنزیات اپني شعله‌نوائي اور خیطبانه هیجان و طغیان میں مثال نہیں رکھتیں - اِن خصوصیات کا وه امام هے - جوونل کا پیرایه بیان انگلستان میں لینگلینڈ اور هندوستان میں مولانا ابوالکلام کی تحریروں میں ملتا هے - بلکه یوں کہنا بھي حقیقت سے دور نه هوگا که اپنے اپنے طرز کے اعتبار سے لینگلینڈ اور مولانا ابوالکلام ایک هی وادی کے دو امام هیں - لیکن لینگلینڈ اور جوونل کے زاویۂ نگاه میں یه فرق هے که گو اِن دونوں کے نقوش پر تیرگي محیط هے ' لیکن لینگلینڈ کے

ظلمت کدہ میں کبھی کبھی امید کی شعاعیں نظر آ جاتی ھیں دوسری طرف جوونل کي تاریک فضا امید کي طلعت ریزیوں سے بالکل بے نیاز ھے -

یہاں تک جو کچھہ بیان کیا گیا ھے وہ طنزیات کي شان نزول سے متعلق تھا - اب تک یہ کہیں نہیں بتایا گیا ھے کہ طنزیات کي تعریف اور اُس کا ادبی مفہوم کیا ھے -

طنزیات یا ھجو و ھجا کي تعریف

کسي چیز کي تعریف پہلے بیان کرنا اور پھر اُس کي تشریح اور توضیح کردینا میرے نزدیک ایک ایسا اصول ھے جو ناقص بھي ھے اور نامکمل بھي - کسي واقعہ یا مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ھے کہ سب سے پہلے وہ فضا پیش کر دي جائے اور وہ روایات پیش کردي جائیں جن کی ماتحت وہ واقعہ ظہور پذیرا ھوا ھو -

ھجا کا عام مفہوم تو یہ ھے کہ کسی شخص ، شے یا واقعہ کي برائي بیان کي جائے خواہ وہ جائز ھو یا ناجائز ، صحیح ھو یا غلط ، اُس کي مختلف نوعیتیں ھیں اور اُس میں سب و شتم ، طعن و طنز ، ھنسي ، ٹھٹول ، نوک جھونک ، فحاشي ، پھکڑ اور مغلظات سب آ جاتے ھیں - لیکن جب سے اُس کو ایک فن کي حیثیت حاصل ھوئي ھے اُس کا مفہوم بھي محدود کر دیا گیا ھے - "سطائر" (Satire) کا جو مفہوم انگریزي میں ھے اُس کي پوری اور صحیح ترجماني (ھماری یہاں کے کسي ایک لفظ میں) تقریباً ناممکن ھے - عربي اور فارسي میں اس موقعہ پر چند الفاظ استعمال کئے جاتے ھیں - مثلاً ھجو و ھجا ، ھجو ملیح ، تعریض ، تنقیص ، لعن و طعن ، طعن و طنز ، استھزا ، مذمت ، مضحکات

شطحیات جد و ھزل وغیرہ - ان الفاظ کے دینے سے یہ مقصود نہیں ھے کہ اِن میں سے ھر ایک ""ستائر"" (سطائر) کا مترادف ھے - اکثر اُن الفاظ میں سے کوئي ایک لفظ (مناسبت موقع کے لحاظ سے) یا الفاظ کي ترکیب اختیار کي جاتی ھے -

راقم اسطور نے اُن میں سے صرف ایک لفظ طنز یا طنزیات (و مضحکات) اختیار کیا ھے یہ صحیح ھے کہ طنزیات سے بھي وہ مفہوم پورے طور پر ظاھر نہیں ھوتا جو ""سطائر"" میں مضمر ھے - لیکن اُس میں بھي شک نہیں کہ ""طنزیات"" کا مفہوم سطائر (Satire) کے مفہوم سے بڑي حد تک متجانس اور ھم آھنگ ھے - دوسري خوبي یہ ھے کہ اِس لفظ کے اختیار کرنے سے چند اور سہولتیں پیدا ھو جاتي ھیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - اور کچھہ نہیں تو اِس میں کافي اشتقاقی سہولتیں ھیں - بہر حال یہ ناموں کا اُلٹ پھیر ھے بہت ممکن ھے اِس سے بہتر لفظ دریافت یا وضع کیا جا سکے -

""سطائر"" کی تعریف ھنسي اس نے یوں کی ھے -

""یہ ایک قسم کي نظم ھوتی ھے جس میں کسي واقعہ یا عمل کا تسلسل نہیں پایا جاتا - جو ھمارے ذھن اور دماغ کو آلائشات سے پاک کرنے کے لئے وضع کی گئی ھے ' جس میں غلطیوں' جہالتوں اور اُن دیگر عوارض کو جو اِن سے مرتب ھوتے ھیں' فرداً فرداً مورد لعن و طعن قرار دیا جاتا ھے کبھی اُس کو بطور ڈراما دکھایا جاتا ھے اور کبھي یونھی پیش کیا جاتا ھے - بعض اوقات دونوں طریقوں پر ' لیکن اکثر اشارةً و کنایةً وہ بھی پست اور بے تکلفانہ انداز سے ' طریق گفتار تیز اور تلخ ھوتا ھے ' اُس کے

علاوہ کچھہ ظرافت اور تمسخر کی بھي رعایت رکھي جاتي ھے جس کا مقصد تنفریا تنغض یا ھنسی اور قہقہہ کا اکسانا ھوتا ھے -"

در اصل یہ تعریف نہیں بلکہ تفصیل ھے اور تفصیل ھي نہیں بلکہ یہ ھوریس کی طنزیات کی تشریح ھے - یہ کچھہ ضروری نہیں ھے کہ سطائر کا تعلق صرف ڈراما سے ھو یا صرف شعر میں ادا ھو یا طریق گفتار تیز اور تلخ ھو - دوسري طرف عربی میں ھجا سے وہ اشعار مراد ھیں جن میں کسی قوم، کسي فرد، کسي جماعت یا کسي زمانہ کي منقصت کي گئي ھو -

لیکن یہاں اس امر کو خصوصیت کے ساتھہ مدنظر رکھنا پڑے گا کہ جہاں تک ھجو و ھجا کا تعلق کسي قوم، فرد، جماعت اور زمانہ کی منقصت سے ھے، وھاں تک تو کسي کو انکار نہیں ھو سکتا اور یہ امر بھي نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ھجو و ھجا میں منقصت کا پہلو ھمیشہ نمایاں ھوتا ھے اور ھونا چاھئے - لیکن رومن، لاطیني اور عربي فضلا نے جو شرط شعر کي لگادي ھے وہ ایک بڑي حد تک غیر ضروري ھے، ھجو و ھجا کا ایک اضافي پہلو تو شعر ھو سکتا ھے، لیکن ھجو و ھجا کے لئے شعر کو لازمي قرار دے دینا کلیۃً دور از کار ھے -

راقم السطور کا خیال ھے کہ عربي شعرا کے مانند رومن اور لاطیني شعرا بھي شعر سے مراد خیالات کي ندرت اور برجستگي لیتے تھے اور جہاں تک رومن اور لاطیني طنزیئین کا تذکرہ ھوچکا ھے میرے مذکورہ نظریئے کي تائید ھوتي ھے - رومن اور لاطیني طنزیات کي شان نزول بھي وھي بے محابا یا بر محل برجستگي ھے جس کو رومن، لاطیني اور عربي شعرا شعر و شاعري کا جزولاینفک

سمجھتے رہے ہیں ۔ نظر براں عہد حاضر میں ہجو و ہجا سے شعر کی شرط اگر حذف کردی جائے تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور یہی نہیں بلکہ اس شرط کو قائم رکھنے سے بہت سے مستند طنزئیں اس جماعت سے حذف ہوجاتے ہیں ؛ روم اور یونان میں طنزیات کی ابتدا ایک قسم کے ڈرامے سے ہوئی تھی ۔ اس لئے شعر کی قید ممکن ہے ضروری سمجھی گئی ہو ؛ دوسری طرف عربی شعرا ہیں جن کا رخت حیات ہی شعر و شاعری پر مشتمل تھا ۔ لیکن اُردو طنزیئین ایک بڑی حد تک اس قید سے آزاد ہیں اِن کا شمار جائز طور پر بہترین طنزی مصنفین میں ہوسکتا ہے ۔

بقول تھیکرے ؛ طنزی ؛ حتی الوسع زندگی کے ہر شعبہ پر ناقدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور مکر و فریب ؛ رعونت و منافقت ؛ حق و باطل کے خلاف اس طور پر جہاد کرتا ہے کہ بالاخر ہمارے جذبات مرحمت و محبت یا نفرت و حقارت کو تحریک ہوتی ہے اور ہم اِن جذبات کو بر سرکار لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ مظلوم اور ناتواں کے لئے شفقت محسوس کرتے ہیں اور ظالم و جابر کو قابل نفرین و ملامت تصوّر کرتے ہیں ۔

تھیکرے نے ہجو و ہجا کے باب میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ ایک طور پر ہجو و ہجا کے عمل و اثر سے متعلق ہے اور در اصل ہجو و ہجا کے صحیفہ اخلاق سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہاں ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہجو و ہجا کی مسلمہ تعریف کیا ہے انگریزی ادبا اور فضلا کا ایک حد تک متفقہ خیال یہ ہے ۔

"ہجو و ہجا (طنزیات کے مفہوم میں) کا مقصد یہ ہے کہ کسی بے ہنگام یا مضحکہ خیز واقعہ یا حالت پر ؛ ہمارے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ہو بشرطیکہ اس ہجو و طنز میں ظرافت

یا خوش طبعی کا عنصر نمایاں ہو اور اسے ادبی حیثیت بھی حاصل ہو۔ اگر اِن حیثیتوں کا فقدان ہوا تو پھر یہ محض گالی گلوچ یا دھقانیوں کی طرح منھہ چڑھانا ہوگا''

(انسائکلو پیڈیا برٹانکا)

اس تعریف کو ہجو و ہجا کی بیسویں صدی عیسوی کی تعریف کہہ سکتے ہیں ورنہ رومن اور لاطینی طنزیئین کی ایک بڑی تعداد جن کے یہاں سوا پھکڑ اور فحاشی کے کچھہ اور نہیں ہے طنزیئین کے صنف سے خارج ہو جاتے ہیں دوسری طرف ان طنزیئین کی تصانیف کو وہ ادبی حیثیت بھی حاصل نہیں ہے جو انگریزی فضلا کے پیش نظر ہے۔

اصلاً ہجو و ہجا سے تنقیص و تعریض مراد ہوتی ہے۔ ایسی تنقیص یا تعریض جس سے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ہوتی ہو، راقم‌السطور کا ذاتی خیال ہے کہ اس قسم کی تنقیص یا تعریض کو ادبی حیثیت حاصل ہو یا نہ ہو ان کا اپنے مورد [پر پورے طور چسپاں ہو جانا از بس لازمی ہے اگر یہ پورے طور پر (بقول شخصے) ''چپک نہیں جاتیں'' تو پھر ان کو ہجو و ہجا یا طنزیات کے بجائے ''لغویات'' کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ہجو و ہجا کے سلسلہ میں بہت سے الفاظ جملے یا لطیفے ایسے ہو سکتے ہیں جو ادب کی کسوٹی پر صحیح اُترنا تو در کنار اس کے قریب بھی نہیں لائے جا سکتے، لیکن اپنے مفہوم اور موقع و محل کے اعتبار سے اتنے موزوں اور برجستہ ہو سکتے ہیں کہ اُن پر ہجو و ہجا کا پورے طور پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ بہت سی چیزیں ادبیت سے مُعرا ہو سکتی ہیں بایں‌ہمہ

یہی نہیں کہ اکثر مذاق سلیم پر قطعاً بار نہیں ہوتیں بلکہ مذاق سلیم ان کا شکر گزار بھی ہوتا ہے۔

نظر بواں ہجو و ہجا سے ایسی تنقیص، تعریض یا تضحیک مراد ہے (اور اس میں وہ تمام الفاظ، آواز، انداز، حرکات و سکنات اور اشارات شامل ہیں جو —— فرض کرلیجئے کانگریس سے منسوب کئے جا سکتے ہیں اور جن کے خلاف آرڈیننس نافذ ہو چکے ہیں) جو اپنے مورد پر ہر حیثیت سے یا کسی نا کسی پہلو سے لیکن پورے طور پر چسپاں ہوتی ہو۔ اب رہا یہ امر کہ کس طور پر یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے ہمارا ذاتی خیال ہے کہ تنقیص یا تعریض کے لیے لازم ہے کہ وہ حقیقت پر مبنی ہو۔ اس سلسلہ میں بے موقع نہ ہوگا اگر یہاں وہ اصول پیش کردئے جائیں جو ہجو و ہجا کے صحیفۂ اخلاق میں عربوں کے یہاں ملتے ہیں،

(۱) جو چیز فی نفسہ قبیح یا مکروہ ہے اس کی ہجو کہجا سکتی ہے۔

(۲) جسمانی یا فطری نقائص یا معائب کی مذمت نا روا ہے۔

(۳) آبا و اجداد کی فرد گذاشت پر اولاد کو مورد لعن طعن قرار دینا نا جائز ہے۔

(۴) انہیں معائب کو قابل گرفت تصور کرنا چاہئے جو عقل کے نزدیک قابل گرفت ہوں۔

(۵) بہترین ہجو وہ ہے جو جلد ذہن میں محفوظ ہو جائے جس کی ترکیب اور معنی میں پیچیدگی نہ ہو جس کو عام مذاق جلد قبول کر لے اور صرف قبول ہی نہ کر لے بلکہ اس کو صحیح بھی سمجھتا ہو، وغیرہ۔

اب تک طنزیات اور طنزیئین کے سلسلہ میں جو کچھہ بیان کیا گیا ہے وہ عہد قایم سے متعلق تھا اور ان زبانوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے جن کا شمار کلاسکس (ادبیات عالیہ) میں ہوتا ہے اس کے بعد کوئی اور ایسا مرتب اور مربوط سلسلہ نہیں ملتا جس پر وثوق کے ساتھہ کوئی حکم لگایا جا سکے یا جس کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھہ سود مند ہو۔

انگریزی طنزیات

اس میں شک نہیں ' از منۂ وسطی ' طنزیات کی ایک وسیع جولانگاہ پیش کرتا ہے۔ ارباب کلیسا کی فرسودہ معتقدات ان کی خلوت اور جلوت کی کارستانیاں ' جنس نازک کی کافر ماجرائی اور عشوہ‌زائی ؛ اصحاب دول کی فرعون سامانی ' ایسے واقعات نہ تھے جو اس عہد اور فضا کے لیے کسی طور پر ناساز گار ہوتے تاہم طنزیات کا کوئی مخصوص اسکول ' نہیں ملتا اور ہر پھر کر نگاہیں صرف ریلارت اور ڈانٹے پر پڑتی ہیں۔

قرون وسطی میں ریلارت اور ڈانٹے کا نمونہ انگلستان نے صرف لینگلینڈ اور چاسر کی ذات میں پیش کیا ہے یہ دونوں اپنے احساس اور تعلیمات کے اعتبار سے ہوریس اور جورنل کے علمبردار تھے۔ ایک کی حیثیت اس دین‌دار کی تھی جو دشمنان عقل اور ذوق کو ہنسی دل لگی اور طعن و تشنیع سے مغلوب کرنا چاہتا تھا ' دوسرا اپنا پیام رسالت اُن کے خلاف پیش کرنا چاہتا تھا اور اُس کے لئے کبھی کبھی انتہائی طیش ناکیوں کے ساتھہ برہم نظر آتا تھا۔ یہ دونوں مسالک انگریزی ادب میں اب تک کسی نہ کسی طور پر نمایاں ہیں۔ ایک کے معتقد۔

چاسر ' اڈیسن ' سوئفٹ ' تھیکرے اور ٹینیسن ہیں اور دوسرے کے علمبردار لینگلنڈ ' نیشن ' ڈرائڈن ' پوپ جانسن اور براوننگ ہیں۔

لینگلینڈ قرون وسطیٰ کا جورنل تصور کیا جاتا ہے - کوہستان ملورن کی اس غمگین، دنیا سے بیزار اور اپنے عہد کی معاشری معائب اور معاصی کی سوگوار ہستی کو جماعت کے مقررہ نظام اور اصول میں عافیت اور جمعیت کا کوئی شائبۂ نظر نہیں آتا تھا، کیوں کہ اُن کے رگ و پے میں کید و فریب سرایت کرچکا تھا اور اِسی عقیدہ کی بنا پر اُس نے بقول اسکیٹس اپنے تمثیلہ میں غریب اور فلاکت زدہ کسانوں کی حالت زار، قسیسوں کی زیاں کاری، راہبوں کے حرص و آز کا نہایت بدیع نقشہ کھینچا ہے، کاہل الوجود مزدور اور کاریگروں پر لعن و طعن کی ہے اور عدالتوں کی رشوت ستانی پر اظہار نفرین کیا ہے - مختصر یہ کہ اُس نے اِن تمام عیوب و ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں طنزیات کا موزوں ترین موضوع قرار دئے جا سکتے ہیں -

لیکن لینگلینڈ کی طنزیات میں وہ شعلہ نوائی اور خطیبانہ ہیجان و طغیان نہیں پایا جاتا جو جورنل کا امتیاز خصوصی ہے - اُس کے مقابلہ میں اُس کے ہم عصر جفری چاسر کی شگفتہ نگاری اور طرب نوائی کا مقابلہ کیا جائے تو آسمان اور زمین کا فرق نظر آنے لگتا ہے - ہوریس کے مانند چاسر کی طنزیات میں ایک قسم کی آسودگی اور مرحمت پائی جاتی ہے - تلخی اور شوریدگی کا پتہ نہیں - یہ معائب و معاصی کی سر زنش کرتا ہے، لیکن بجائے سر کہ جبیں ہونے کے ہمیشہ خندہ روئی کو دخل دیتا ہے - اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُس نے ایوان اور ارباب حکومت کو پیش نظر رکھ کر اپنے کلام کو ترتیب دیا اور غالباً اِسی خیال سے وہ اِن مراحل اور مواقع کو قصداً نظر انداز کردیتا ہے

جہاں سے گذرنا دربار اور درباریوں کے نزدیک نا پسندیدہ اور بے محل ہو سکتا تھا - یہی حالت ہوریس کی ہے - جس نے ہمیشہ آگسٹس کی سامعہ نوازی کے لئے قلم کو جنبش دی - انگلینڈ کی مہتم بالشان تمثیلیہ میں طنزیات کا عنصر نہایت سنجیدہ اور خاطر نظر آتا ہے جس کے مطالعہ سے یہ امر فوراً محسوس ہوتا ہے کہ اُس کو اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس تھا - دوسری طرف چاسر کے قصص کنٹربری ہیں جسے اُس نے اپنی بذلہ سنجی اور ظرافت سے زعفران زار بنا دیا ہے - ہوریس کے مانند وہ بھی انسانی کمزوریوں کو قابل عفو سمجھتا ہے اور محض اس بنا پر کہ خود انسان تھا !

پندرھویں صدی کی ابتدا انگلینڈ اور چاسر کے خاتمہ سے ہوئی ہے - اِس زمانہ سے سولھویں صدی کے وسط تک جس زمانہ میں گیسکوئن نے " اسٹیل گلاس " نکالا ہے ہم کو اسکاٹ لینڈ کے طنزی شعرا کی طرف رجوع کرنا چاہئے - ولیم ڈنبار اور سر ڈیوڈ لینڈسے اس عہد کے بہترین شعرا تھے - اول الذکر کا شمار برطانیہ کے بہترین طنزیئیں میں ہوتا ہے - لینڈسے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس نے لفاظی اور دیگر پیچیدگیوں کو راہ نہ دیا ہوتا تو اُس کی طنزیات غالباً اولین صف میں بار پا سکتیں -

اِس کے بعد ہمارا گذر ملکہ الزبتھ کے عہد میں ہوتا ہے - جو حیثیت بہترین لاطینی طنزیئین ہوریس ، جوونل ، اور پرسی اس کو عہد گذشتہ میں حاصل تھی وہی رتبہ پیرس پلاڈمیلس اور لوج کو اِس زمانہ میں حاصل تھا - اس دور میں ادبیات کو جو عروج ہوا اور جس کثرت کے ساتھ شعرا اور اہل کمال عالم

متعین ہوگا کہ پوپ، ڈرائڈن کا شاگرد تھا ۔ شاگرد کی تصنیف نہ صرف استاد کی تمام صفات کی بہمہ وجوہ حامل ہے بلکہ شاگرد نے ایک حدتک خود اپنی ذاتی جوہر اور خوبی کا بھی نہایت صنعت کارانہ طریق سے اضافہ کیا ہے ۔ البتہ ایک اختلاف ایسا ہے جسکا تذکرہ غالباً بے موقع نہ ہوگا ۔ پوپ نے اپنے کلام میں طعن و تشنیع ، کینہ پروری اور زہر ناکی کو زیادہ دخل دیا ہے حالانکہ استاد کے یہاں فیاضی اور کشادہ قلبی کا عنصر غالب ہے ۔ پوپ اور سوئفٹ دونوں نے اٹھارویں صدی کے وسط میں رحلت کی ہے ۔ اُن کے بعد طنزیات کی ادبی لطافتیں زائل ہونے لگیں ۔ یہ انحطاط کچھ عرصہ تک قائم رہا یہاں تک کہ گولڈ اسمتھ نے اس زندگی کی ایک تازہ روح پھونکدی ۔

انقلاب فرانس نے انگریزی طنزیات میں ایک جدید اسلوب کا اضافہ کیا جسکے تصرف سے طنزیات میں سیاسی عنصر کی ایکدفعہ پھر آمیزش نظر آنے لگی ۔ انیسویں صدی کے جن طنزی شعرا کا تذکرہ ضروری ہے اُس میں سب پہلا ولیم جیو فرڈ ہے اُس نے بھی لاطینی اساتذہ فن کی تقلید کی ہے لیکن بسا اوقات اُس کے لفظوں اور فقروں میں شدت اور برہنگی اس درجہ غالب آ جاتی ہے یا ذاتیات کو وہ جس حدتک ہدف ملامت بناتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی بے محل نہیں ہے کہ اکثر یہہ مذاق سلیم پر بار ہونے لگتا ہے ۔ اس عہد کی سب سے نمایاں ہستی بائرن ہے اس کی بعض تصانیف اس فن کا بہترین نمونہ ہیں بائرن کے بعد پریڈ کا دور آتا ہے جس کی نظموں کی شستگی اور پاکیزگی مسلم ہے ۔ اس کی حیات ہی میں لیمب، سودی ، ڈزرائلے اور تام ہڈ اسٹیج پر آئے ۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنھوں نے اجتماعی زندگی کے نقائص اور ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے ۔ مس آستین ، ڈکنز ، ڈگلس جیرولڈ کی طنزی تصانیف بھی مختلف نوعیتوں کے ساتھہ بلند پایہ تسلیم کی

گئي هيں - اسي سلسلہ ميں "امريکن اسکول" کي طنزيات کا محض ضمني تذکرہ بھي يہاں سے موقع نہ ہوگا - اس کی بنياد واشنگٹن ارونگ نے رکھي تھي اور اس کے مبتعين هلر برٹن، پالڈنگ، ہومس اور ڈڈلے ہيں -

اب وہ دور آتا ہے جس ميں طنزيات نے اپنی ديرينہ شدت تلخي اور زهرناکی ايک حد تک نظر انداز کردي ہے - يہ مضحکات اور مطائبات کا عہد ہے - هر بات خوشگوار انداز سے کہي جاتي ہے حرب و ضرب کا عہد گزر چکا ہے - کچھہ خوشگوار شوخياں، اُچٹتي ہوئی ضربيں، تھوڑي بہت حريفانہ چشمک - ليکن يہ سب کچھہ اس انداز سے کہ ادبي لطائف و ظرائف پامال نہ ہونے پائيں - انگريزي ادب ميں عام ہيں - اس سلسلہ ميں مورٹمر کولنس ارتھرلاک، فريڈرک لوکر، ڈبلو اس گلبرٹ، ڈاکٹر والٹرس اسمتھہ کا نام خصوصيت سے ليا جاتاہے -

موجودہ دور ميں اسکروائلڈ چسٹرٹن اور برنارڈشا کا شمار بہترين طنزيئين ميں ہوتا ہے، جس کي تفصيل في الحال نظر انداز کي جاتي ہے -

در شعر سہ تن پيمبرانند   هر چند کہ لانبئي بعدي
ابيات و قصيدہ و غزل را   فردوسي و انوري و سعدي

ليکن فارسی شاعري کا يہ کرشمہ بھي ديدنی ہے کہ ايک طور پر ان ميں سے هر ايک هجو و هجا کے فن کا بھي امام تھا - فردوسي کے متعلق بيان کيا ہے جاتا ہے کہ اُس کو طنزيئيں کی صف ميں داخل کرنا جائز نہيں ہے - ليکن اگر فردوسي کا تنہا شاهکار شاهنامہ ہے تو يہ کہنا بھی غالباً بے محل نہ ہوگا کہ خود شاہ نامہ سے کم شہرت اُس هجو کی نہيں ہے جسے فردوسي نے محمود کے

فارسي طنزيات

خلاف لکھکر اُس کے دامن کو ھمیشہ کے لئے داغدار اور اُس کي ادبي پرستاریوں کو بے نور کر دیا۔ بعضوں کا تو خیال ھے کہ یہ ھجو اور اُس کي شانِ نزول دونوں فرضي ھیں لیکن یہاں یہ بحث کسي حد تک غیر متعلق ھوگي - شاہ نامہ کے پرستاروں کي تعداد اور استعداد پر نظر رکھتے ھوئے یہ خیال قرین قیاس ھے کہ اس واقعہ (ھجو گوئي) کا قطعاً صحیح یا کلیۃً فرضي ھونا دونوں صحیح ھوسکتا ھے ورنہ یا تو شاید شاھنامہ محض ایک "دوسرے درجہ" کي کتاب ھے یا اُس کے پرستاروں کا شمار "تیسرے درجہ" کے لوگوں میں ھے -

شاھنامہ یا ایران کي داستان رزم و بزم فردوسی نے جس طور پر تن تن اور جھوم جھوم کر سنائي ھے اس سے کون نہیں واقف ھے - اس سلسلہ کي آخري کڑیاں بھي ملاحظہ ھوں -

یکے بندگي کردم اے شہریار — کہ ماند ز تو در جہاں یادگار
بسے رنج بردم دریں سال سی — عجم زندہ کردم بدیں پار سي
اگر شاہ را شاہ بودے پدر — بسر بر نہادے مرا تاج و زر
و گر مادر شاہ با نو بُدے — مرا سیم و زر تا بزانو برے
چو اندر تبارش بزرگي نبود — نیا رست نام بزرگاں شنود
پرستار زادہ نیاید بکار — اگرچہ بود زادۂ شہریار
سر ناسزایاں بر افراشتن — و زیشاں امید بھي داشتن
سر رشتۂ خویش گم کردن است — بجیب اندروں مار پروردن است
درختے کہ تلخ است ویرا سرشت — گرش در نشانی بباغ بہشت
ور از جوئي خلدش بہنگام آب — بہ بیخ انگبیں ریزي شیرناب
سر انجام گوھر بکام آورد — ھماں میوۂ تلخ بار آورد
زبد اصل چشم بھي داشتن — بود خاک دردیدہ انباشتن
جہاں را چواین است آئیں و ساز — کہ سازد فرومایہ را سرفراز

پشیزے بہ از شہریار چنیں | کہ نے کیش دارد نہ آئین ودیں
ازاں گفتم ایں بیتہائی بلند | کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند
کہ شاعر جو رنجد بگوید ھجا | بماند ھجا تا قیامت بجا

فردوسي کو طنزیئیں کے صف میں داخل کرنا بعضوں کے نردیک اگر غیر متعلق یا غیر صحیح ھے تو غالباً علامہ شبلي مرحوم کے اس فیصلہ کو ملحوظ رکھنا بھی بعضوں کے نزدیک ایک سند جواز ھے -

"کلام کي جہانگیري دیکھو - محمود نے دنیا کي بڑي بڑي سلطنتیں مٹادیں ، ملک کے ملک غارت کر دئے ، عالم کو زیر و زبر کر دیا ، مگر فردوسي کي زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ھیں اور قیامت تک نہیں مٹ سکتے " -

سلطان سنجر کے دربار کا نہایت زبردست اور معزز شاعر انوری بھي اس فن میں یکتائے عصر مانا گیا ھے - انوری کے نزدیک ھجو کی شان نزول یہ ھوتي ھے -

* سہ بیت رسم بود شاعران طامع را
یکے مدیح دگر قطعہ تقاضائی
اگر بداد سیم شکر ورنہ داد ھجا
ازین سہ بیت دوگفتم د گرچہ فرمائي

آخر عمر میں انوري ھجو و ھجا سے تائب ھوگیا تھا جس کا تذکرہ ایک قطعہ میں نہایت بلاغت سے کیا ھے اور چوں کہ یہ خود اپني وقت میں اس فن کا امام رہ چکا ھے اس لئے ھجو اور ھجو گوئی کے متعلق اس کا نظریہ ھر طور پر قابل اتفات ھے -

دي مرا عاشقکے گفت غزل میگوئي
گفتم از مدح و ھجا دست بیفشاندم ھم

* یہ اشعار خلاق المعا ني کمال اصفہاني کے جانب بھي منسوب کئے جاتے ھیں -

گشت چون گفتمش آن حالت گمراهی بود
حالت رفته دگر باز نه آید ز عدم

غزل و مدح و هجا هر سه ازاں گفتم
که مرا شهوت و حرص و غضبے بود هم

آں یکے شب همه شب درغم و اندیشه آں
که کند وصف لب چوں شکر و زلف بخم

واں دگر روز همه روز دراں محنت و غم
که کجا از که و چوں کسب کند پنج درهم

واں سه دگر چوں سگ خسته تسلیش براں
که زبو نے بکف آرد که از و آید کم

چوں خدا ایں سه سگ گرسنه راخاشاکم
باز کرد از سر من بنده عاجز به کرم

غزل و مدح و هجا گویم یارب زنہار
بس که بانفس جفا کردم و بر عقل ستم

شعرائے فارسي میں ہجو کا معیار نہایت پست رہا ہے اور افراد کي ہجو میں یہ اکثر انتہائی رکاکت اور فحاشي کو دخل دینے لگتے ہیں - لیکن جہاں یہ رکاکت ارر فحاشی بجائے خود بے محل اور غیر متعلق ہوجاتي ہے ، وہاں اُن کي مبالغہ آفریني اور جدت طرازي دلچسپ بھي ہوجاتي ہے -

فارسی شعرا کو گھوڑے کی ہجو لکھنے میں نہایت لطف آتا ہے - انوری نے گھوڑے کی ہجو لکھی ہے -

بر عادت از وثاق بصحرا بروں شدم
بایک دو آشنا هم از ابنائي روزگار

اسپے چناں کہ دانی زبر از میانہ زیر
وز کاھلی کہ بود نہ سکسک نہ راھوار
در خفت خیز ماند ھمہ راہ عیدگاہ
من گاہ از و پیادہ و گاھی براو سوار
نہ از غبار خاستہ بیروں شدے بزور
نہ از زمین خستہ بر انگیختے غبار
گہ طعنہ ازیں کہ رکابش دراز کن
گہ بذلہ ازاں کہ عنانش فرو گذار

اِس سلسلہ میں سودا کی نظم ھجو اسپ موسوم بہ "تضحیک روزگار" بھی قابل اعتنا ھے - بہت ممکن ھے سودا نے انوری ھی کی نظم پیش نظر رکھہ کر یہ نظم مرتب کی ھو کیوں کہ دونوں کی بحر ایک ھی ھے اور بعض مقامات پر خیال کی پرواز بھی ایک ھی جانب ھوئی ھے - سودا کے چند اشعار اس ضمن میں پیش کرنا غالباً ناظرین کی دلچسپی کا موجب ھوگا -

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ھرگز نہ اُٹھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ھے زینھار
آگے سے توبرہ اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ھانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھہ ھوئے جمع خاص و عام
اکثروں مدبروں سے کہتے تھے یوں پکار
پھئے اسے لگاؤ تا ھوئے یہ رواں
یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار

حکیم محمد بن عمر الجوهری الهروی نے بھی ایک قصیدہ اس موضوع پر ترتیب دیا ہے۔

دی مرا آخر سالار خداوند جہاں
داد اسپے کہ ز پیر یست بفریاد و فغاں
سفتہ زن اسپ کہ از شانۂ او در رفتن
ہر زماں آید در گوش دگرگوں دستاں
راست مانند یکے اشتر باریک و حزین
از سر شانہ بروں آمدہ او را کوھاں
پشتش از گوشت تهی گشتہ بسان تابوت
شکم از کاہ بپا گندہ بسان کہہ داں
سرطاں وار بیک پهلو در راہ رود
کہ همہ دست شد و پائے بسان سرطاں
در سر آید چو رسد پر شکمش زخم رکاب
بہ نشیند بدم انکہ چو کشی باز عناں
گفت با بندہ کہ با نوح بدم در کشتی
بکہ انکہ جہاں گشت خراب از طوفاں
یاد دارم کہ چو یوسف بعزیزی بنشست
سوئے مصر آمد یعقوب نبی از کنعاں

روحی والو الجی شاگرد قطران بن منصور ترمذی نے بھی اس میدان میں تگ و تاز کی ہے۔

آں اسپ تاروان کہ زبے طاقتی چو آب
تا یافتے نشیب نرفتے سوئے فراز
بر دے بهر فراز و نشیبے ہزار بار
از دست و پائے لنگ زمین را بسر نماز

فرخاری نے بھي اسي موضوع پر چند اشعار کہے ھیں -

اسپے دارم کہ ھرگز ایزد
قانع ترازو نیا فریند
تا روز ز عشق جو ھمہ شب
از خرمن ماہ خوشہ چنید
گفتہ کہ جو نماند ازین غم
مي خواھد تعزیت ازیں گزیند
بوسیدہ پلاس وپارۂ کاہ
مي خواھد تا درو تشیند

سلمان ساؤ جي کا رنگ ملاحظہ ھو -

شاھا امید بود کہ خاھم بدولتت
بر مرکبے بلند و جوان و رواں نشست
اسپیم پیر و کاھل و کوتہ ھمی دھند
اسپے نہ آنچناں کہ توانم براں نشست
چوں کلک مرکبے سیہ و سست و لاغر است
جھل مرکب است بہ اسپے چناں نشست
از بندہ مھتر است بہ سي سال راستي
گستاخي است بر زیر مھتراں نشست

جمال الدین محمد عبدالرزاق اصفہاني نے یوں طبع آزمائی کي ھے —

صائم الدھر اسپکے دارم کہ بدہ روز روزہ نکشاید
در رکوع است سال ومہ لیکن گھہ گھے در سجود افزاید
روز عید است وھریکے امروز بطعامي دھن بیامدید
گر تفضل کند خداوندم پارۂ کاہ جو بفرماید
ورنہ رخصت دھد کاندر شرع روزۂ عید داشتن شاید

مرزا مقیم جوھری کی جولانئ طبع ملاحظہ ہو ۔

رود چو آب فرو بر زمیں زبار گراں
اگر کند گزر از زیر نخل سایہ فگن
اگر گرہ نزنم بردمش زکثرت ضعف
بسان رشتہ تواند گزشت از سوزن
نخورد دہ کاہ و نہ دیدہ است جو نہ کند گیاہ
بغیر یال و بالیش نیست در گردن
زبار ضعف سر از جائے بر نمیدارد
عناں بدارد اگر دست لطف در گردن

کوشکی قائینی ، محمد بن علی سوزنی ، حکیم جلال ، دھقان علی شطرنجی ، عمعق بخاری ، صدر الدین عمر بن محمد الخرما بادی ، جلال الدین ناصر شمس غزنوی ، مجید الدین بیلقانی ، شرف الدین شفروہ ، شرف الدین پذجدی ، سراج الدین اسفرائینی ، نجیب الدین خطاط ، اپنے اپنے عہد کے مشہور طنزیئین گذرے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک کی حاضر جوابی ، مطائبات ، مضحکات ، فحشیات یا مغلظات کا تذکرہ تفصیل کا محتاج ہے جس کا موقع نہیں ہے اور جس کی جرات بھی نہیں کی جاسکتی ۔

کمال اسمعیل کے باب میں کسی قدر تفصیل سے کام لینا قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا ، کمال کے متعلق علامہ شبلی نے شعرالعجم حصہ دوم میں فرمایا ہے ۔

"شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یہ ہے کہ شاعری کی ایک ایسی صنف یعنے ھجو اور ظرافت جو انوری اور سوزنی کی وجہ سے لچوں کی زبان بن گئی تھی ، کمال نے اِس کو نہایت لطیف اور پر مزہ کردیا ۔ اگرچہ بہتر تو یہی تھا کے یہ بیہودہ صنف سرے سے اُڑا دی جاتی ، لیکن

ھجو شعرا کا ایک بڑا آلہ تھا جس سے اُن کے معاش کا تعلق تھا اس لئے وہ اس سے بالکل دست بردار نہیں ھوسکتے تھے"۔

ھجو اور ظرافت کو بیھودہ صنف قرار دینا یا اُس کو شعرا کے معاش سے وابستہ کرنا ایسا دعویٰ ھے جس پر نظر ثانی کی ضرورت ھے - اس میں شک نہیں اگر اس سے مقصود اس مخصوص قسم کی ھجا ھے جو فارسی ادبیات میں پائی جاتی ھے اور جس کا پایہ بڑی حد تک یقیناً پست ھے تو اُس کا نہ ھونا بہر حال اولیٰ تھا - یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لاطینی طنزیات کے اولین شعرا بھی اس قسم کی رکاکت کو روا رکھتے تھے، لیکن یہ موازنہ یوں خوش آیند نہ ھوگا کہ اُن کا ابتدائی عہد فارسی کے ترقی یافتہ دور سے ھم آھنگ ھے اور یہ فارسی شعر و ادب کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ھے - لیکن اسی سلسلہ میں زندہ اور اولوالعزم قوموں کے شعرا کو بھی ملحوظ رکھنا چاھئے جو ھجو و ھجا کو بر سرکار لانے میں اسی جرات اور پا مردی کا اظہار کرتے آئے ھیں جو میدان حرب و ضرب میں سرفروشوں اور جانبازوں کا طرۂ امتیاز رھا ھے، جنگ واٹرلو کے بارے میں کہا جاتا ھے کہ اُس کا فیصلہ ایٹن کے میدانوں میں ھوا تھا لیکن نپولین کی سطوت و جبروت کی پہلی شکست رولینڈ اور کرک شینک کی طعن و طنز اور ان کارٹونسٹوں (Cartoonists) سے ھوئی تھی جو ان آتش زبانوں کی تقلید کر رھی تھی - میدان جنگ میں بظاھر شکست و ریخت کا انجام سامان، سپاھی اور اسلحہ جات سے وابستہ ھوتا ھے لیکن بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ھوتے ھیں کہ زوال کی اولین بنیاد وہ شعرا اور مصنفین رکھتے ھیں جن کی تحریر و تقریر فریق محارب کے خلاف یا موافق بر سر کار رہ چکی ھوتی ھے -

هجو و هجا کا حقیقی مفہوم فارسی شعرا نے بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے - فارسی شاعری تقریباً تمامتر درباری رہی ہے اکثر وبیشتر شعرا دربار کو مد نظر رکھکر اظہار خیال کرتے تھے - اور یہی وجہ ہے کہ ان کا زاویہ نگاہ کافی وسیع نہ ہوسکا - یہی اعتراض ہوریس کی شاعری پر بھی وارد ہوتا ہے جس نے ہمیشہ آگسٹس اور اس کے دربار کی سامعہ نوازی کے لئے قلم کو جنبش دی لیکن اس قسم کی مثال کثرت سے نہیں ملیگی -

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں تک فارسی شعر و شاعری کا تعلق ہے ابتدا سے انجام تک شعر و سخن کا پایہ تقریباً یکساں بلند ہے عہد بعہد کی ترقیوں پر غور کیا جائے تو عام طور پر صرف اظہار خیال یا اسلوب بیان میں تھوڑا بہت فرق نظر آئے گا لیکن جہاں تک جذبات کی مصوری اور فن شاعری کا تعلق ہے اول سے آخر تک یکساں سطح نظر آئے گی - هجو و هجا کا بھی یہی حال ہے لیکن شروع سے آخر تک جتنا عام شاعری کا پایہ بلند ہے اتنا ہی اس صنف کلام (هجو و هجا) کا پست اور رکیک ہے اور لطف یہ ہے اور یہ لطف عبرت سے بھی خالی نہیں کہ سعدی ایسا ثقہ اور متشرع شاعر بھی اس حمام میں آکر عریاں ہونے پر مجبور ہوا؟ دوسری طرف دور جدید کا مشہور قادرالکلام شاعر قا آنی ہے جس نے اس سر زمین میں پہونچکر وہ لے دے کی ہے کہ اس کی نظیر بمشکل کہیں اور ملسکے گی -

یہ بحث گو مزید تفصیل کی محتاج ہے لیکن بخوف طوالت ہم یہاں اسی پر اکتفا کریں گے - اب ہم قارئین کی توجہ ایک دفعہ پھر کمال کی طرف مبذول کراتے ہیں کمال نے ایک بخیل کا خاکہ یوں کھینچا ہے -

دی مرا گفت دوستے کہ مرا　　　باقلاں خواجہ از پئے دوسہ کار

سخنے چند هست ازپئے آں خلوتے مي ببائدم ناچار
گفتم ایں فرصتے ارتواني يافت وقت ناں خوردنش نگه میدار

کسی نے کمال کو برا کہا تھا اس کا جواب کس لطیف انداز سے دیا ھے -

شخصے بد ما به خلق مي گفت ما از بد اونهي خراشم
ما نیکئي او بخلق گفیتم تا هر دو دروغ گفته باشم

شیخ سعدي نے بھي بقول علامه شبلي مرحوم (شعرالعجم) —

"غزل میں زاهدوں اور واعظوں کا پردہ فاش کیا ھے اور ریاکاري کي دقیق اور باریک کارساریوں کي قلعي کھولی ھے خیام نے رباعیوں میں اس مضمون کو ادا کیا ھے لیکن صاف صاف اور کُھلے لفظوں میں شیخ کي طرح چبھتي چبھتي چوتیں نه تھیں" —

شیخ سے قطع نظر کر لیا جائے تو یہ کہنا قرین حقیقت ھے کہ خود صوفیانه شاعري نام نہاد طبقۂ زهاد وعباد کي فریب کاریوں پر ایک طویل اور جامع طنز ھے - ایک حد تک یه کہنا بھی صحیح ھے که صوفیانه شاعري کا فروغ بھي اسي عهد سے وابسته ھے جب طبقۂ زهاد کي فریب کاریاں انتہا کو پہونچ چکي تھیں - اس کي مثال عهد قدیم میں مشرق سے باهر بھی ملتی ھے - لینگلینڈ نے اپني تمثیلیه میں قسیسیوں کی زیاں کاری اور راهبوں کی حرص و آز کا نہایت بدیع نقشه کھینچا ھے اس عہد کے معاشري معائب اور معاصی کي لینگلینڈ نے نہایت سخت سرزنش کي ھے - حافظ علیه‌الرحمة نے زاهدوں کے "کار دیگر" کو اکثر نہایت لطیف اور دلدوز انداز سے برافگندہ نقاب کیا ھے - حافظ کی تقریباً تمامتر شاعري ان لوگوں کي زیاکاریوں کا ایک نقش بدیع ھے -

املع الشعرا خواجہ عبید زاکانی فارسی ادب کا بے پناہ ہجو گو تسلیم کیا گیا ہے - ان کی ہجو و ہزل کی شان نزول بھی نہایت عجیب اور عبرت زا ہے - تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں یہ واقعہ ان الفاظ میں درج ہے -

" مفخر الفضلا خواجہ عبید زاکانی نسخہ در علم معانی تصنیف کردہ بنام شاہ سخن شاہ ابو اسحق میخواست تا آن نسخہ بعرض شاہ رساند گفتند کہ مسخرہ آمدہ است و شاہ باو مشغول است - عبید تعجب نمود کہ ہر گاہ تقرب سلطانی بمسخرگی میسر گردد وہزالاں مقبول و محبوب و علما و فضلا محجوب و منکوب باشند - چرا باید کہ کسی برنج تکرار پردازد و بیہودہ دماغ لطیف را بدود چراغ مدرسہ کثیف سازد؟ بمجلس شاہ ابو اسحق نارفتہ بازگشت "

عبید نے ہزالی اور مسخرگی کا عزم کرلیا تھا - دوستوں نے صلاح دی کہ یہ فعل ناروا اور غیر مستحسن ہوگا لیکن یہاں صرف یہ جواب تھا -

مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز
تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

سلمان ساؤجی نے ایک قطعہ تصنیف کیا تھا جس میں ان کی ہجو کی تھی -

جہنمی ہجا گو عبید زاکانی
مقرر است بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست زقزوین و روستا زاد است
ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

یہاں اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ظرفائے ایران کے نزدیک قزوینی احمق، خراسانی خر، طوسی گاؤ و بخاری گاؤ

تصور کئے جاتے ھیں عبید نے یہ قطعہ سنکر سلمان کی فکر میں بغداد کا رخ کیا - وھاں پہونچے تو سنا کہ سلمان دجلہ کے کنارے علما و فضلا کی صحبت میں مشغول سیر و تفریح ھے - یہ بھی کسی طرح باریاب ھوئے - دجلہ پر سیلابی کیفیت تھی، سلمان نے یہ مصرعہ پڑھا -

دجلہ را امسال رفتار عجب مستانہ است

عبید نے برجستہ کہا -

پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است

سلمان نے خوش ھوکر دریافت کیا کہاں سے آنا ھوا - کہا قزوین سے سلمان نے کہا سلمان کا نام قزوین میں مشہور ھے اس کے اشعار میں سے بھی کسی کو وھاں قبول عام نصیب ھے انہوں نے کہا یہ قطعہ بہت مقبول ھے -

من خرابا تیم و بادہ پرست
در خرابات مغاں عاشق و مست
میکشندم چو سبو دوش بہ دوش
می برندم چو قدح دست بہ دست

لیکن ساتھہ ھی ساتھہ یہ بھی کہدیا

"سلمان مرد فاضل است و می تواں ایں قطعہ را بوی نسبت داد، اماظن غالب، آن است کہ این قطعہ از زن او باشد" سلمان بد حواس ھوگیا اور سمجھہ گیا کہ کن بزرگ سے سابقہ پڑا ھے - بڑی معزرت کی اور ان کی مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مولانا نے فرمایا -

اے سلمان بخشت یا ورے کرد کہ زود باعتذار اقدام نمودی و از شرّ زبانم رستی"

عبید نے مختلف مباحث پر طبع آزمائی کی ہے ۔ ان میں سے ایک رسالہ اخلاق الاشراف ہے ۔ یہ رسالہ ان تمام مذاہی اور معاصی کے خلاف ایک طنز ہے جن کی ایران میں گرم بازاری تھی ۔ عبید نے مضامین رسالہ کے دو عنوان مقرر کئے تھے ایک "مذہب منسوخ" یعنی اسلاف اکابر نے اصول زندگی اور نظام اخلاق کا کیا حقیقی معیار رکھا تھا ۔ دوسرا مذہب مختار ؛ یعنی اخلاف نے ان تمام اصول کو مسخ کرکے اب کونسا طریقہ اختیار کیا تھا طوالت کے اندیشہ سے یہاں کوئی اقتباس نہیں پیش کیا جاتا ۔

دوسرا رسالہ صد پند ہے تمہید میں فرماتے ہیں اس کے محرک افلاطون کے وہ نصائح ہیں جن کو اس نے اپنے شاگرد ارسطو کے لئے منضبط کئے تھے ؛

مشتے نمونہ از خروارے ۔

(۱) عیش امروز بفردا میفگندا زید ؛

(۲) زمان نا خوش را بحساب عمر مشمرید ؛

(۳) طعام و شراب تنہا مخورید کہ ایں شیوہ کار قاضیان و جہودان باشد ؛

(۴) از دشنام گدایاں وسیلئی زناں و زبان شاعراں و مسخرگاں مرنجید ۔

اس کے بعد رسالہ تعریفات ہے جس کا نمونہ حسب ذیل ہے ۔

(الدانشمند) آن کہ عقل معاش ندارد ؛

(الخسیس) مالدار ؛

(الذامراد) طالب علم ؛

(المدرس) بزرگ ایشان ؛

(دارالتعطیل) مدرسہ ؛

(القاضي) آں که همه او را نفریں کنند ؟

(الرشوة) کار ساز بیچارگاں ؟

(ملک الموت) ساقي باریش ؟

(ذوالقرنین) آں که دو زن دارد ؟

(المتواضع) مفلس ؟

ایک جگه قرض کا نوحه کیا هے -

مردم بعیش خوشدل ومن مبتلائے قرض
هر کس بکار و بارے ومن مبتلائے قرض
فرض خدا و قرض خلائق بگردنم
آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در شهر قرض دارم اندر محله قرض
در کوچه قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت
از بسکه خواستم ز در هر گدائے قرض
(خواجه علاء دنیا و دین) آنکه جز کفش
هرگز کسے نداد بگیتي سزائے قرض

کچهه رباعیات بهي هیں لیکن چند کے علاوه سب کي سب اس قابل هیں که ان کو کسي قسم کي تحریري یا زباني نقل و حرکت کي زحمت نه دیجائے - عبید نے ایک طویل ترجیع بند بهي تصنیف کیا هے جس کي تفصیل کي یوں گنجائش نهیں هے که خود اس کا مخصوص عنوان اس قدر بے محابا اور بے لگام هے که اس کا تذکره نه کرنا هي افضل هے اس کے بعد کچهه تخمیسات اور قطعات هیں - سب سے آخر میں رساله دلکشا هے - ان میں

سے کسي کے متعلق تفصیلي بحث کي گنجائش نہیں ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں:-

گرچہ توحید و بیاں درکار است
قدرے ہم ہزیاں درکار است

اس سلسلہ میں۔

مفخرالظرفا سراج الدین قمري قزویني ، املع الظرفا مولانا ابواسحٰق شیرازي ، مولانا برندق بخاري ، نادم جرجاني عباس نشاطی ، گنج ذرفنوني مولانا جلوتي اند خودي مفخرالفضلا و ظرفا خواجہ منصور قرابوغہ طوسي ، شہاب تر شیزي وغیرہ کا نام بھي آتا ہے ان میں ہر ایک مطائبات اور ہزلیات میں کمال رکھتا تھا لیکن ان کے کلام کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس کا تذکرہ نہ کرنا ھي بہتر ہے۔

فارسي شاعری کے طنزئین کا یہ ایک مختصر خاکہ تھا۔ ہندوستاني فارسي شعرا میں نعمت خان عالي کا نام بھی اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھہ لیا جاتا ہے۔ نعمت خان عالي کے یہاں طعن و طنز کے علاوہ جس میں ہجو ملیح کي بعض روشن مثالیں ملیں گی الفاظ کے الٹ پھیر۔ اور ضلع جگت کا عنصر غالب نظر آئے گا۔ ان کے مطائبات و مضحکات جہاں تک تشبیہ و استعارہ یا کسي علم و فن کے اظہار کا تعلق ہے خاص طور پر قابل اعتنا ہیں۔

جہاں تک ایراني شاعري کا تعلق امرا یا سلاطین کے دربار اور اُن کي شخصي حکومت سے ہے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رکھي جاسکتي کہ یہ فضا طنزیات کے لئے موزوں نہ تھي۔ اس کے اسباب ظاہر ہیں جس کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ لیکن جب سے ایران کي شخصی سلطنت معرض زوال میں آئي اور مشروطہ

کی پزیرائی کے لیے ایران بغاوت اور انقلاب کا گہوارہ بنگیا - یوں
میں آزادی فکر کا عنصر پیدا ہوا اور مختلف ہمسایہ قوتوں نے
اپنی اپنی ریشہ دوانیوں سے ارض ایران کو ورطۂ کشا کش میں
ڈالدیا ایران کی شاعری میں زندگی اور نمو کے آثار پیدا ہونے
لگے - اس کا اثر خود قاآنی کے کلام میں پیدا ہے گو اس سے بھی
انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں تک ہجو و ہجا کا تعلق ہے
قاآنی کا کلام اس کے پیشروؤں کے مانند پست اور رکیک ہے -

اقوام کے طبائع میں جب کبھی تضاد و تصادم پیدا ہوا اور
اُن میں بیداری کے آثار نمایاں ہوئے خیالات کا جمود اور قدامت
دوستی یکلخت مفقود ہوگئی ہے - ایران کی موجودہ شاعری اسے
کسر و انکسار کا نتیجہ ہے اور اس میں شک نہیں یہ بیداری
ملک و ملت کے تاریخ میں ایک جدید اور روشن باب کا اضافہ
کرتی ہے گو اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ لطافتیں ؟
وہ نازک خیالات اور حسّیات لطیف کی وہ مرقعہ کاری جو قدما اور
متوسطین کا طرہ امتیاز تھا دور حاضر کی شاعری سے تقریباً ناپید
ہے لیکن موجودہ شعر و شاعری میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں
اور اس میں شک نہیں قوم کی خوابیدہ حمیت کو بیدار کرنے
کے لیے یہ ضروری ہے کہ شعرا کبھی کبھی فرسودہ راستوں کو اختیار
کرنے سے اجتناب بھی کریں -

شیخ فضل اللہ مشہور استبدادی مجتہد کا جس کے باب میں کہا
جاتا ہے کہ اُس نے قوم کی آزادی کو سب سے زیادہ دام لگانے والے کے ہاتھہ
فروخت کر ڈالنے کا ارادہ کیا تھا ؟ ایک شاعر نے یوں خاکہ کھینچا ہے -
بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نظم ۱۲ جولائی ۱۹۱۹ع کو شائع ہوئی جس روز

کہ سپہدار کی کمان میں رضاکاران مِلّی کا داخلہ طہران میں ہوا ہے -

حاجی بازار هراج است هراج — کو خریدار هراج است هراج
میفروشم همه ایران را — عرض و ناموس مسلمان را
رشت و قزوین و قم و کاشاں را — بخرید ایں وطن ارزاں را
یزد خوانسار هراج است هراج — کو خریدار هراج است هراج

طبل و شیپور علم را کے میخاد — شیر و خورشید رقم را کے میخاد
تخت عجم را کے میخاد — تاج کے، مسلد جم را کے میخاد
اسپ و افسار هراج است هراج — کو خریدار هراج است هراج

گویند مردمان اروپا که کذب و شهد
با طینت اهالئے ایراں سرشته اند
هستند اگر نفوس اروپا چو مورنارد
ایرانیاں به نسبت ایشاں فرشته اند

ملک الشعرا بہار مشہدی نے سر اڈورڈ گرے کو یوں مخاطب کیا ہے -

سوئے لندن گذر اے پاک نسیم سحرے
سخنے از من بر گو به سر اڈورڈ گرے
کاے خرد مند وزیرے که نپرورده جهاں
چوں تو دستور خرد مند وزیرے هنرے
نقش پیطرز بفکر تو نقش بر آب
رائے بزمارک بهر رائے تو رائے سپرے
بر کشودے در صد ساله فرو بسته هند
بر رخ روس و نکر سیدی ز در بدری

زہے آں خاطر دانائی رزیں تو زہے
فرے آں فکر توانائی متین تو فرے !

جرمنی کے باب میں ایرانیوں کو غلط فہمی تھی کہ یہ مسلمانوں کا دوست اور روس کا دشمن تھا - لیکن ایران کے معاملات میں اس کی مداخلت بیجا نے سارا نقشہ پلٹ دیا - اس ناخواندہ مہماں کی پذیرائی یوں کی گئی ہے -

مہمان تازہ وارد ایراں خوش آمدی
بالائے چشم جائے تو الماں خوش آمدی
ایران بخوان ماند و بیگانگاں بضیف
ناخواندہ میہماں سر ایں خواں خوش آمدی
از بہر صید مرغ دل عاشقان زار
در دست دام و دانہ بداماں خوش آمدی
با دعوی حمایت اسلام و مسلمین
گشتی دخیل حوزۂ دز داں خوش آمدی
لیکن چوں بردہ اند حریفاں ہر انچہ بود
ترسم شود نصیب تو حرماں خوش آمدی
رندانہ با بہانہ دارالفنون و بانک
نائل شدی بمقصد پنہاں خوش آمدی

مرزا آقا خاں نے ناصر الدین شاہ قاچار کے خلاف ایک ھجو (غالباً فردوسی کی نظم (ھجو) پیش نظر رکھہ کر لکھی تھی - یہ کہنے کی ضرورت نہیں ھے کہ یہ نظم فردوسی کی نظم سے کہیں فرو تر ھے -

اگر شاہ را بود حِسّے نہاں
مرا ساختی بے نیاز از جہاں

چو در خون او جوهر شرک بود
زتوحید اسلام خشمش فزود
مرا بیم دادی که در ارد بیل
تنم را بزنجیر بندی چو پیل
زکشتن نه ترسم که آزاده ام
زمادر همی مرگ را زاده ام

ایرانی شاعری کا موجودہ دور جس کے علمبرداروں میں اشرف مرزا اکبر علی دخو بہار مشہدی عارف قزوینی پور داؤد مرزا حسن کمال کا نام لیا جاسکتا ہے اور جن کے کلام کا جستہ جستہ نمونہ پیش کیا گیا ہے متقدمین اور متوسطین کی کہنہ شاہراہ سے علیحدہ نظر آتے ہیں لیکن باوجود ان تمام امید افزا توقعات کے جو اس دور کے ساتھہ وابستہ کیجاسکتی ہیں پروفسر براؤن انجہانی کا یہ مقولہ بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

"یہ نظمیں اپنے اوصاف اور خوبیوں میں مختلف اور متنوع نظر آتی ہیں اور گو ان میں سے بعض ایسی ہیں جو محمد علی کے عزل کے بعد اور اس کے صغیرالسن فرزند سلطان احمد کی تخت نشینی کے دوران میں لکھی گئی ہیں بحیثیت مجموعی یہ قدیم طرز شاعری کی ترجمان ہیں اور اُن نظموں میں جو ھجو اور ھزل سے متعلق ہیں زبان کی وہی رکاکت پائی جاتی ہے جو قدیم ھجویات و ھزلیات میں نمایاں ہے"

طنزیات اردو

ہمارا ’’ جنت نشان ‘‘ اگر انیسویں صدی کے آخری مراحل سے گذر کر بیسویں صدی کے متعدد کروٹیں نہ لے چکا ہوتا تو آج یہ کہنے میں کس کو تامل ہو سکتا تھا کہ اُردو طنزیات میں (جعفر کی زٹلیات سے قطع نظر) سودا کے علاوہ کوئی اور ہستی نظر نہیں آتی - اُردو غالباً دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے نو عمر ہے ، بایںہمہ اُس نے اتنی کم مدت میں جتنے منازل ترقی طے کیے ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہے اور قابل فخر بھی ، اُس کا ابتدائی دور ہندو مسلمان دونوں کے خلوص اور جانفشانی کا مرہون منت ہے - ایک معقول اور سنجیدہ ادب جن موضوعات پر مشتمل ہوتا یا ہو سکتا ہے ، وہ اُردو میں تصنیف و تالیف یا ترجمہ کے ذریعے سے کافی حد تک منتقل ہو چکا ہے - اگر کسی کو اُس کے بے بہا یا عالمگیر امکانات ترقی کی طرف سے اندیشہ یا مایوسی ہے تو یہ اُردو کا نقص نہیں ہندستانی قومیت کا نقص یا محرومی ہے ، جس کا ماتم ہندو یا مسلمان کریں یا نہ کریں ہندوستان کو تو بہر حال ہے !

بایںہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ جہاں تک طنزیات کا بحیثیت فن اور ادب کے تعلق ہے اودھ پنچ (لکھنؤ) کے دور سے قبل طنزیئین کی مثال صرف سودا کی ذات میں ملتی ہے - سودا کے عہد میں چند اور طنزی شعرا موجود تھے مثلاً میر ضاحک فدوی ، مکین اور بقا لیکن ان کو کوئی مستقل حیثیت نصیب نہ تھی ، گھوم پھر کر نگاہیں صرف سودا یا پھر ان کے بعد کسی حد تک

انشا اور مصحفی پر پڑتی ہیں - انشا اور مصحفی کو مخصوص طور پر طنزیئین کے صف میں داخل کرنا موزوں بھي نہیں ھے - ہجو و ہجا ان کا مسلک شعري نہ تھا اور نہ اس حیثیت سے اُن کو قبول عام نصیب ہوا - ان کی ہجو و ہجا صرف معاصرانہ چشمک کی حد تک تھی -

سودا کو اردو ہجو و ہجا میں نہ صرف فضل تقدم حاصل ہے بلکہ اُن کے کلام سے طنزیات کي بہترین صلاحیت و استعداد بھي نمایاں ھے ' لیکن جیسا کہیں عرض کیا گیا ھے بہترین طنز کي اساسي شرط یہ ھے کہ وہ ذاتی عناد و تعصب سے پاک اور ذہن و فکر کی بے لوث برہمی یا شگفتگی کا نتیجہ ہو - اس معیار پر سودا کی ہجویں تمام و کمال پوری نہیں اترتیں تاہم اس خارستان میں بھی طنز و مضحکات کے ایسے نمونے ملتے ہیں جن سے اُن کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجي کا ہمیں پوري طرح معترف ہوجانا پڑتا ھے -

سودا نے شعر و شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کي ھے لیکن ان کو جو خصوصیت ایک ہجو گو ہونے کی حیثیت سے حاصل ھے وہ سب پر فوق ھے اور یہی ان کا طغرائے امتیاز ھے ' مصنف آب حیات نے کہا ھے کہ اس فن میں ان کو اتنا کمال تھا اور لوگ اس وجہ سے ان سے اس درجہ خائف رہتے تھے کہ کبھي کسی کو ان سے ٹکر لینے کي ہمت نہیں ہوئی - سودا کے ہم عصر اور ایک حد تک مد مقابل میر ضاحک ' فدوي مکیں اور بقا تھے - ان سے برابر چشمک ہوتی رہی ' مرزا نے ایک نہایت طویل الذیل نظم " اُلو اور بندئے " کی لکھی ھے جس میں فدوی کو دونوں کا مجموعہ بنایا ھے - فاخر اور سودا سے بھي چوٹیں ہوا کرتی تھیں جس کا سودا کو ایک بار بري طرح خمیازہ بھگتنا پڑا تھا -

مرزا نے مرثئے اور سلام بھی کہے ھیں، لیکن علامہ شبلی کی مانند (جہاں تک مرثیہ کا تعلق ھے) یہ اس وادی میں اجنبی تھے - سودا کا اس صنف کلام میں بے آھنگ ھونا فطری تھا - ایک حقیقی طنزی شاعر کی نظر معائب اور نقائص پر پڑتی ھے اور وہ اسی کو طشت از بام اور مجروح کرتا ھے - مراثی اور سلام کا عقائد سے تعلق ھے - عقیدت اور پرستاری کا طنزیات سے کیا رشتہ -

سودا نے ایک قصیدہ ''شہر آشوب'' لکھا ھے - مصنف آب حیات کا مقولہ ھے کہ اس میں ابنائے وطن کا مرثیہ کہا ھے ممکن ھے یہ صحیح ھو لیکن اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں یوں تامل ھوسکتا ھے کہ مرثیہ کا شمار تریجڈی (المیہ) میں ھوتا ھے حالانکہ سودا سر تا سر کومیڈی (بزمیہ) کے علم بردار ھیں - یاس اور حزن کا رنگ کہیں نمایاں نہیں ھے - سودا نے ھر جگہ کشادہ جبینی اور خندہ روئی کو دخل دیا ھے - راقم السطور کے نزدیک سودا کے کلام ''مرثیت'' سے قطعاً مبرا ھے، ان کے کلام کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آشکار ھو جاتی ھے کہ ان کے ذھن اور فکر کو کسی ایسے مرحلہ سے شاذ و نادر ھی گذرنا پڑا ھے، جس کی فضا تاریک یا حزن آفرین رھی ھو -

مرزا کے قصیدہ ''شہر آشوب'' کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ھے -

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ھیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ھے
گذرے ھے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کی یاں ھے
کہتا ھے نفر غرہ کو صراف سے جاکر
بی بی نے تو کچھ کھایا ھے فاقہ سے میاں ھے

یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئي عید وگر نہ
شوال بھي پھر ماہ مبارک رمضان ہے
سوداگری کیجئے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہان میں
قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ پہ دزدي کا گمان ہے
شاعر جو سنے جاتے ہیں مستغني الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ
نیت قطعۂ تہنیت خان زماں ہے
تاریخ تولد کي رہے آٹھ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سنے نطفۂ خاں ہے
اور ما حضر اخوند کا اب میں کیا بتاؤں
یک کاسۂ دال عدس و جو کي دو ناں ہے
دن کو تو بیچارہ وہ پڑھایا کرے لڑکے
سب خرچ لکھے گھر کا اگر ھندسہ داں ہے
جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے
ہر صفحہ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیت ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے محتاج
خوبي میں خط اب جس کا بہ از خط بتاں ہے
ھدیہ ھو سوا پانچ ٹکے گدڑی میں آکر
یاقوت پکارے جو بکاؤں یہ قراں ہے
دمڑي کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں میر علي چوک جہاں ہے

چاهے جو کوئي شيخ بنے بهر فراغت
چهٹتے هی وه شعرا کے تو مطعون زماں هے
ديتا هے دم خر سے کوئي شعله کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑي کو تشبيه گماں هے
پوچهے هے مريدوں سے يه هر صبح کو اُٹهکر
هے آج کدهر عرس کی شب روز کهاں هے
تحقيق هوا عرس تو کر ڈاڑهي کو کنگهی
لے خيل مريداں گئے وه بزم جهاں هے
ڈهولک جو لگی بجنے تو واں سب کو هوا وجد
کوئي کو دے کوئي روئے کوئي نعره زناں هے
بے تال هوئے شيخ جو تک وجد ميں آکر
سرگوشيوں ميں پهر بد اسلوبي کا بياں هے
گر تال سے پڑتا هے قدم تو سبهی هنس هنس
کهتے هيں کوئي حال هے يه رقص کناں هے
اور ما حصل اس رنج و مشقت کا جو پوچهو
ڈالا هوا واں دل نخود قليه و ناں هے
سب پيشه يه تج کر جو کوئی هو متوکل
جورو تو سمجهتی هے نکهٹو يه مياں هے
دنيا ميں تو آسودگي رکهتي هے فقط نام
عقبیٰ ميں يه کهتا هے کوئی اس کا نشاں هے
ياں فکر معيشت هے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگي حرفيست نه ياں هے نه وهاں هے

هجو بهي ايک قسم کي واقعه نگاري هے اور اس کا کمال يه هے که شخصيت،

موقعہ ' یا زمانہ کی صحیح ترجمانی ہو ۔ سودا نے اپنے طویل قصیدہ " شہر آشوب " میں جن اشخاص ' مشاغل ' یا حالت پر اظہار خیال کیا ہے اور جس شاعرانہ بلاغت کے ساتھہ ان کے تمام جزئیات پر نظر ڈالی ہے اس کا ہر شخص قائل ہوگا ۔ یہاں قصیدے کی نقل طوالت سے خالی نہ تھی شائقین کو اس قصیدہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس لئے اور بھی ' کہ یہ خود آج کل کے واقعات اور حالات کا آئینہ ہے ۔

ایک جگہہ گھوڑے کی ہجو کی ہے وہ بھی قابل دید ہے (قصیدہ در ہجو اسپ المسمی بہ تضحیک روزگار) مثلاً '

ہے جب سے چرخ ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بھی قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھہ سے
موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے مزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپئے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
نا طاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیان
فاقوں کا اُسکے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانند نقش نعل زمین سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھکر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار
دیکھے ہے جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کوئیں تاپیں مار مار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں وہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو .... ہے بار بار
ہے اس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باد سے
میخیں گر اس کی تھان کی ہوویں نہ استوار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق یا سرنگ
خارشت سے ز بسکہ ہے مجروح بے شمار
ہر زخم پر ز بسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اُس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

سودا نے اپنے دوست سے یہ گھوڑا مستعار لینا چاہا تو اُنہوں فرمایا۔

ہے پھر اس قدر کہ جو بتلاوے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے ز روئے تواریخ یاد ہے
شیطان اُسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
مانند اسب خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خط سیاہ و سیہ سے ہوا سفید
تھا سر و سا جو قد سو ہوا شاخ باردا
پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
شیخو خومت کے درچے سے کر اس طرف گذار

دهلي پر مرهٹون کی تاخت هوئی هے اور یه گهوڑے پر بیٹهه کر میدان کار زار کا رخ کر رهے هیں -

چابک تهے دونوں هاتهه میں پکڑے تها منهه میں باگ
تک تک سے پاشنه کے مرے پاؤں تهے فگار
آگے سے توبرہ اُسے دکهلائے تها سئیس
پیچهے نقیب هانکے تها لاٹهی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکهه هوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبرون میں سے کهتے تهے یوں پکار
پهنڈے اسے لگاؤ تا هووے یه رواں
یا باد بان باندهو پون کے دو اختیار
کهتا تها کوئی هے بز کوهی نهیں یه اسپ
کهتا تها کوئی هے گا ولایت کا یه حمار
کهتا تها کوئی مجهه سے هوا تجهه سے کیا گناه
کتوال نے گدهے په تجهے کیوں کیا سوار
اس مخمصه میں تها هي که ناگاه ایک روز
فتنے کو آسمان نے کیا مجهه سے پهر دو چار
دهوبي کمهار کے گدهے اُس دن هوئے تهے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گذار
هر اک نے اُس کو اپنے گدهے کا خیال کر
پکڑے تها دهوبي کان تو کهینچے تها دم کمهار
بد پشمي اُس کی دیکهه کے کر خرس کا خیال
لڑکے بهي واں تهے جمع تماشے کو بیشمار
رکهتا تها کوئی لاکے سپارے کو منهه کے بیچ
مو اس کے تن سے کوئي اُکهاڑے تها بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
دوں گا تکے تجھے میں بھی نوچندی ایتوار

اس کوفت اور خفت سے بے اختیار ہو کر راکب نے مرکب کو بد دعا دی ہے —

دست دعا اُٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جناب الٰہی میں یوں پکار
پہلے ہی چھوٹتے گولا اس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر سے پار

مرہٹوں سے دو چار ہونے کے بعد کا حادثہ ۔

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے چوں طفل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

موجودہ دور میں مبالغہ نگاری کی جس قدر مذمت کی جاتی ہے، وہ ظاہر ہے اور ایک حد تک درست بھی ہے ' لیکن متذکرۂ صدر ہجو میں کچھ ایسے پہلو پیدا ہو گئے ہیں کہ یہاں مبالغہ ہی اُس کا حسن بن گیا ہے ۔ جدت فکر نے غلو کو انتہا تک پہونچا دیا ہے ' لیکن بجائے اُس کے کہ یہ گراں گذرے دل چاہتا ہے کہ کچھ اور ہو ۔ نرپت سنگھ کے ہاتھی کی بھی ہجو لکھی ہے ۔ اس میں شک نہیں زور بیان اور لطف کلام کا جو نمونہ ہجو اسپ میں نظر آتا ہے وہ اس میں ایک حد

تک بہت کم ہے، لیکن یہ وہ صنف کلام ہے جس میں سودا کبھی پھیکے نہیں پڑے -

ہوئی آقا پر اس کے تنگدستی — کیا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال — طناب سست سے خیمہ کا جوں حال
نمودار اس طرح ہر استخواں ہے — گویا ہر پسلی اس کی نردباں ہے
ضعیفی نے کی اس کی فربہی گم — گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
کہا اس کے مہاوت سے میں اکروز — اگر آقا کے اپنے ہے تو دل سوز
تو کہہ اُن سے کہ اس کو بیچ ڈالیں — عوض کاش اسکے چڑھنے کو گدھا لیں
دیا ان نے جواب اے میرے مخدوم — خریداری تو اس کافر کی معلوم
جو ہاتھی ہو تو لے کوئی خان ونواب — ہے بےایمان کی مسجد کی محراب
جو بیٹھے یہ تو اُٹھتا ہے اسے دور — لگیں اسکو نہ جب تک راج ومزدور
ہے اتنا چلنے میں بجر یہ بدذات — نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ ہے اس مرتبہ بدی میں منحوس — سنیچر جس کے ہوتا ہے قدمبوس
جسے لا پیٹھ پر اس کے بٹھایا — گویا باروت پر دھر کر اُڑایا

شیدی فولاد خاں کوتوال شاہجہاں آباد کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی ہے، مختصر اقتباس درج ذیل ہے -

گشت اُن کا جو پھرتا آتا ہے — بھی نرسنگیا بجاتا آتا ہے
سن لو چورو یہ مختصر قصہ — صبح کو بھیجدیجئو حصہ
جو نظر باز اُس کا چترا ہے — خوب دیکھو تو جیب کترا ہے
کسو کا گٹھہ کٹی وتھرا ہے — کوئی بھڑوا اُٹھائی گیرا ہے
جس کے گھر بیچ اُس کا آقا جائے — صاحب خانہ پر یہ آفت آئے
تا خبر دار گھر کا ہو صاحب — چوگھڑے پان دان تک غائب
شام سے صبح تک یہی ہے شور — ڈوریو گٹھڑی لے چلا ہے چور
رات جو اپنے گھر میں کھنکارے — چور دروازے پر یہ ہنکارے

ہوگی کب تک بچا خبرداری   چور جاتے رہے کہ اندھیاری
خلق جب دیکھ کرکے یہ بیداد   کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار   گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھسے اب بجاکو ٹھول   میری پگڑی کا میرے سر پر مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور   دیکھو تو تک کہاں کہاں ہے چور
مت سکے مجھ غریب سے یہ خلل   ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھئے گر بتاں کو بھی بخدا   ہاتھ میں ہے انہوں کے دزد حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی   چوری کرنے سے کون ہے خالی
چڑھکے جب مفسدوں پہ جاتا ہوں   وقت پر میں بھی جی چراتا ہوں
مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ   ہے خدا کے بھی گھر میں چور کی تھانگ
بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے   ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے

آخر میں تو کمال ہی کر دیا ہے، فرماتے ہیں :-

یہ جو سودا بکے ہے لا یعنی   آپ کرتا ہے دوردُسی معنی!

ایک مثنوی کسی دولت مند بخیل کی ہجو میں لکھی ہے - کہتے ہیں اُن کے دوست کسی بخیل دولت مند کے یہاں گئے - اتفاق سے بارش ہونے لگی، میزبان نے پہلے تو پوچھا کوئی باراتی وغیرہ بھی ہمراہ ہے، انہوں نے کہا بارش کا حال کس کو معلوم تھا؛ میزبان نے کہا بارش میں سخت دقت ہوگی، انہوں نے جواب دیا -

رکھے خالق سلامت آپ کی ذات   نہ کھلے گا تو میں رہوں گا رات

اب میزبان کی حالت دگر دگوں ہونے لگی، نوبت بایںجا رسید کہ -

کہا اس نے کہ بھر کے آفتابا   مٹی کی جا ضرور میں رکھوا

اور چلتے چلتے مہمان کے کان میں کہہ گئے -

چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو   کہدو بلوا کے اب بکاول کو

اُنہوں نے بکاول سے فرمائش کی تو وہ -

بولا تیار تو نہیں ہے کچھ　　جاؤں ڈھونڈوں اگر کہیں ہے کچھ
تو تو لاؤں ہوں آپ کی خاطر　　ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

مہمان نے کہا اگر کچھ تیار نہیں ہے تو مودی سے جنس لےکر کچھ تیار کرلو - اُس نے جواب دیا اُس کے پاس کیا رکھا ہے - قصاب ، کونجڑہ ، سفرہ چین ، باورچی ، نان پز ، شاعر سب کا یہ حال ہے -

اور قصاب بھی جو آوے ہے　　چھری بغدا مجھے دکھاوے ہے
جب میں کچھ کونجڑے سے کہتا ہوں　　لہو پی پی کے اپنا رہتا ہوں
بھڑتے ہے مجھسے یوں دو بدو　　لیجو ترکاری کی جگہہ کدو
سفرہ چین دے ہمیشہ یوں گالی　　منھ رکھیں چکنا اور شکم خالی
مجھکو باورچی یوں ڈراتے ہیں　　وہ تہری آش کیا پکاتے ہیں
نان پز کو جو دیکھوں بھر کے نظر　　مجھسے کہتا ہے یوں وہ گیدی خر
تکے مشرف کے گھر لگاؤں گا　　اور پلیتھن ترا نکالوں گا
کوئی شاعر جو یوں گذرتا ہے　　میری ہی ہجو وہ بھی کرتا ہے

دوسروں کا حال یہ ہے -

بسکہ مطبخ میں سردی رہتی ہے　　ناک باورچیوں کی بہتی ہے
ان کے مطبخ سے درد اُٹھے اگر　　سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
روز باورچی یوں کرے فریاد　　کبھی تو کچھ کرو ہمیں ارشاد
کیا تیرے بغد کر کے کھاویں گے　　جب کسب اپنا بھول جاویں گے
کرے سو عید گنبد گرداں　　نہ تلے ان کے گھر سے پھر رمضان
الغرض مطبخ اس گھرانے کا　　رشک ہے ابدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور　　اُن کی نا کے گھر کا تھا وہ تنور

میزبان کے ولی عہد نے اپنے کسی دوست کی ضیافت کی تھی اُس کا یہ حشر ہوا -

چاہتا تھا کرے یہ اُس کو عاق　　اور ماں کو بھی اُس کے دیدے طلاق

بارے لوگوں نے آ کے سمجھایا
تب یہ جورو کے حق میں فرمایا

پتھر اُس کے عوض تو کیوں نہ جنی
کاش پھنس مرتا واں یہ ناشدنی

یارو مجھہ سے تو لا ولد بہتر
میرا بیٹا اور اس قدر ابتر

اُس کا دادا بھی گرچہ تھا عیاش
اس سلیقے سے پر کرے تھا معاش

جو کوئی اُس کے گھر میں نوکر تھا
رات کو اس پہ یہ مقرر تھا

پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر
لاتا آقا کے آگے جھولی بھر

اچھے چن چن کے آپ کھاتے تھے
برے تنخواہ میں لگاتے تھے

میر ضاحک کی خبر لیتے ہیں -

کنکری چلنے پر ہے اب گذران
معدہ اُس کا ہے مرغ کا سنگدان

سنگریزے تلک نہ اُس سے بچے
معدے میں اُس کے تو پہاڑ پچے

گھر میں اب جسکے دیگچہ کھڑکے
در پر اُسکے یہ بیٹھے یوں اڑ کے

گور سے پھر جو رستم اُٹھکر آئے
میت اُس کی اُٹھائے یا نہ اُٹھائے

آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود
اک ذرہ بھی گر کرے ہے نمود

لوگ تو دوڑے ہیں بجھانے کو
دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو

اس لئے ہجو خلق کرتا ہے
گالیاں کھانے تک پہ مرتا ہے

جو اسے میہماں بلاوے ہے
آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے

یہی کہتا پھر اُس کے گھر بیٹھے
اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھے

جب تلک کھانا آوے ہی آوے
اسی بک بک میں جان کھا جاوے

کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے
جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

ایک دن اُن کے ”ممدوح“ کو کسی دوست نے کھانے پر مدعو کیا تھا، جلسے میں لوگ خوش گپیاں کر رہے تھے، اُن کا یہ حال تھا -

جاکے مبطخ پہ یہ پڑا اس طرح
میں بیان اسکا اب کروں کس طرح

لاٹھیاں لے لے ہاتھہ پیر و جواں
کرتے ہی رہ گئے سبھی ہاں ہاں

گوشت چاول مسالہ ترکاری
سب سمیت اُس نے ایک ھي ماری
مطلق اُسنے نہ مانی ڈانٹ ڈپٹ
رکھہ کے کلے میں کر گیا سب چٹ
جن ھے یا آدمي ھے یا کیا ھے
یا کوئي دیو بوکھلایا ھے
نہیں ڈرتا یہ لاٹھي پاٹھي سے
کیا کرے لاٹھي اُس کي کاٹھي سے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا
لاشے کي روٹي کو بھي یہ کھاوے گا

حکیم غوث کے متعلق ارشاد ھوتا ھے ۔

مملکت ھند میں اب گھر بہ گھر
ھے ملک الموت سے مشہور تر
نسخہ نہ لکھتا کبھو وہ بد سرشت
بھرتي نہ انسان سے دوزخ بہشت
مرتے ھیں اس سے ز بس اب مرد و زن
کھاتے ھیں قرض اُس کے اوپر گور کن

حکیم صاحب کے مطب کا نقشہ بھي ملاحظہ ھو :—

جا کے وہ دیکھے جونہیں وحشت سرا
دل پہ کھلے معلمي دارالفنا
چھتتے ھي اک شخص کي دیکھي جونبض
کہنے لگا تجھکو بشدت ھے قبض
کچھہ نہیں کرنے کا بجز اس کے سود
لکھدیا یہ کہہ کے سفوف یہود
اور غذا اُس کو یہ بتلائے دوست
ماش کي روٹي سے تو کھا ساگ پوست
صاحب پیچش کو بتایا کتول
واسطے ھیضہ کے لکھا اسپغول
لکھدیا مجنون کو شیر شتر
کہدیا مستسقي کو جا فصد کر
کہنے لگا دیکھہ کے اک اور کو
زخم کو دنبل کے کرانا رفو

ایک جگہہ ”فدوي“ کي ھجو کي ھے :—

ایک خراسان کیا گو کہ یہ مکہ کو جائیں
جیسے ھي ایدھر سے جائیں ویسے ھي اُودھر سے آئیں
پوچ زبان اُن کي سے شعر تو سرزد ھوا
کاتب بے چارہ مفت لعن کا مورد ھوا
شعر میں شاعر جو ھیں وہ تو تخلص کو لائیں
پر یہ تخلص بغیر نام نہ اپنا جتائیں

آخری شعر سے متعلق سودا نے ایک بقال کی نقل لکھی ہے - کوئی ”دیوال بند“ کسی بنئے کا مقروض تھا - ادائیگی قرض سے معذور ہو کر بالا خر اس نے ایک سبیل نکالی - دیوال بند نے ایک اُلو پھنسا کر اسی کلغی اور پیچدی سے مزین کیا اور هاتھہ پر رکھکر بازار سے گذرا - اتفاقاً بنئے کی نظر پڑگئی، اُس نے پوچھا کیا ہے، انہوں نے جواب دیا باز ہے -

پھر وہ لگا پوچھنے کہہ تو وہ جیلوے ہے کیا

ان نے کہا دودہ بھات کچھہ نہ اس کے سوا

مزید تعریف سن کر بنئے نے مول بھاؤ کیا اور رات میں اپنی بیوی ”پربھاوتی“ سے یوں گویا ہوا -

کرنے لگا جورو سے رات کو یہ مصلحت

سلتی ہے پربھاوتی اس میں ہے کیا تیری مت

پیسے میرے کرج ہیں ایک سپاهی کے پاس

اس سے نکد ملنے کی اب نہیں مجھکو ہے آس

باج بڑا هی سا ایک دیکھا میں اسکے کنے

اس کو کھریدوں میں اب کال گو جو وہ بنے

بولی بنیئی یہ سن ادت تجھے کھیر ہے

اسکی رسوئی ہے ماس اس سے ہمیں بیر ہے

سنکے کہا بنئے نے کے کہی تونے یہ بات

ناہ رے پربھاوتی رام کیسوں دودہ بھات

غرض کہ پربھاوتی نے بھی رضا دیدی - ساهو جی ”داب بغل میں بھی کان پر رکھہ کر قلم“ مرجا جی کے یہاں پہونچے، قرض کا تقاضا کیا، مقروض نے لیت و لعل شروع کی بنئے نے باج کے عوض بھر پائی لکھدینے کی شرط پیش کی جو ایک مختصر قیل و قال کے بعد منظور کرلیگئی - یہ اُلو گھر لائے، پربھاوتی نے کہا،

دیکھ کے اُن نے کہا اوت تجھے ہے ملوم
یہ تو جناور ہے وہ ترک کہیں جسکو بوم

آخر میں ساھو جي "سر اور توند" کو پیٹ کر بیٹھ رہے اور اس خیال سے کہ شاید کوئی اور اُلو پھنسے اسے "کھونٹی پہ" باندہ دیا اور جو کوئي جلس وغیرہ کے متعلق کچھہ دریافت کرتا یہ بالتزام کہتے :-

سب ہے دیا رام کی یہ بھي ہے اُلو بھي ہے

اس مصرعہ کو مرزا نے "فدوي" پر چسپان کیا ہے ؟ یعنے تخلص کے ساتھہ نام جتانے کي مثال بنئے کي ہے -

ایک دوسرے مقام پر کسي (نام نہاد) درویش نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا ہے - اس کا قصہ سودا کی زبان سے سنئے :-

بجز تسبیح رھتے تھے وہ بے کل — مصلّے پر سے اُٹھتے تھے نہ اک پل
مریدوں کي ھوئیں پر نور عینین — کیا جب اُن کے سرمہ خاک نعلین
بلا شک اس کا جنت میں ھو ماوا — اٹھاوے جو انھون کا آفتابا
جھاں وہ گاڑ دیتے اپنی مسواک — لگے تھے ناسپاتي سیب اور تاک
سوار اپنے ھوئے مرکب پہ یہ جب — مرید اُن کے ھوئے گرد آن کے سب
اُٹھا ھر اک کے عھدہ کو ھوا ساتھہ — عصا کوئی کوئي لے مورچھل ساتھہ
کوئي لے پیکدان اور کوئی رومال — کوئي حضرت کے آگے کوئي دنبال
مصلا کوئي سر پر رکھہ کے اُسدم — چلا صلوات پڑھتا شاد و خرم

سودا بھي ھمراہ ھیں؟ راستہ میں رھزنوں نے قافلہ لوٹ لیا -

کروں کیا آگے اب غارت کي تصریح — نہ تھے جز دانہ ھائے اشک تسبیح
نہ زاد راہ پاس اُن کے نہ مرکب — اب ان سے عزم کعبہ کا بندھے کب
توکل پر چلیں کعبہ یہ کیا ذکر — انھیں اسباب کي اپني پڑي فکر
کبھي عمامہ کے جانے کا مذکور — کبھو تھا فکر پیراھن سے دل چور
سلیماني کی گھہ یاد آتي تسبیح — ھوئی جاتی تھی جسکے غم سے تشریح

کبھو کہتے مصلا تھا چکن کا — کہ جس پر تھا چکن کار دکن کا
کبھو کہتے کہ یارو کیا عصا تھا — بڑے حضرت کے میرے ہاتھہ کا تھا
کہا کیا پٹکا تھا میری کمر کا — سفر در پیش آیا یہ کدھر کا
عقیق سُرخ کا جو ناسداں تھا — اگر بکتا تو قیمت میں گراں تھا

آخر کار سودا سے مشورہ کیا گیا، انھوں نے کہا :—

چلو گے گھر کو تم اپنے کس اسلوب — ہے اس سے قصد اودھر کا کہیں خوب
کہا حضرت نے سنکر تم ہو گمراہ — نہیں مسئلے مسائل سے کچھہ آگاہ
حرم کا فرض ہے مقدور پر طوف — گیا یاں مال آگے جان کا خوف
مرید از بس تھے گھر چلنے پہ مائل — کہا سودا سے باہم ہوکے یکدل
سخن حضرت ہمارے کا ہے معقول — یہیں سے حج انہوں کا ہوگا مقبول
ہوئے تھے صبح جس منزل سے راہی — پھر آئے شام واں ہو کر تباہی

غرض کہ سودا کے کلام میں طعن یا ظرافت کا رنگ کسی نہ کسی حد تک ہر جگہہ نمایاں ہے - بعض قصائد میں تو ساری تشبیب اسی پر مشتمل ہے - ایک قصیدہ نواب سرفرازالدولہ حسن رضا خاں بہادر کی مدح میں ہے، مطلع کتنا شوخ اور شگفتہ ہے اور کس درجہ سودا کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے -

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلال دختر رز بے نکاح، روزہ حرام

بعض اوقات ردیف اور قافیہ بھی اُن کی مشکل پسندی اور ظریفانہ جدت طرازی کا آئینہ ہوتا ہے - ایک قصیدہ کا قافیہ اور ردیف سنگ رنگ ڈھنگ، تنگ رنگ ڈھنگ، ڈھنگ رنگ ڈھنگ ہے - اسی ردیف اور قافیہ میں ایک غزل بھی ہے - دوسرے قصیدہ میں لڑنت پڑنت، گڑنت، اکڑنت، بھڑکنت، بھسمنت، قافیے ہیں -

حضرت امام ثامن علی رضا صلوات اللہ علیہ کی مدح میں ایک قصیدہ

لکھا ہے، جس میں فاخر، مکین اور ان کے اُستاد پر کنایتہً طعن کیا ہے :-

پکڑی جو لٹورے نے کہیں کھیتی سے چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھسا کلاں گیر
یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لاکر
جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسخیر
مصرعہ میں اگر پشہ معنی ہو قلمبند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر
سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر
اُستاد کی ان کے ہے انہوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر
اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجۂ و ناخن نہ لکھو دودہ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ ترازو
باندھو نہ کبھی شعر میں تم لفظ شکم سیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں
مرجع ہو مونث تو ضمیر اسکی ہو تذکیر

اس طعن و طنز کے بعد یوں گریز کی ہے -

سودا تجھے کیا سود جو ابنائے زماں کی
نافہمی و بے ربطی سے کرتا ہے تو تقریر
کر اس کی عوض مدح شہ ہر دوجہاں کی
تا عفو جرائم ترے طالع میں ہوں تحریر

مصحفی کا ایک شعر تھا -

شانہ پہ میرے مہر نبوت نہیں نہیں
کرتا میں صاف دعوی وحی و پیمبری

سودا نے اس شعر پر ھجو میں ایک طویل نظم لکھی ھے جس کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ھے -

یہ بات جو واھی تو بکا بلد کر آنکھیں
اس حرف سے کیا پائے تری شاعری توقیر
تخصیص یہ تجھپر ھے نہیں شانہ پہ جسکے
ھو مہر نبوت کرے دعوی بہ مواھیر
گر عمر طبیعی کو بھی پھونچے تو یقین ھے
پھونچے نہ بلاغت کو تو نابالغوں کے پیر
اے مصحفی جانے ھے تو اپنا جسے دیوان
نفرین خلائق کی ھے گویا کہ وہ جاگیر

کہیں مصحفی نے کہدیا تھا کہ سودا کی صرف اُردو (زبان) صاف ھے ورنہ مضمون کا کہیں گذر نہیں اس کا (انوری ھند) سودا نے جواب دیا ھے -

کیا سہل سمجھتا ھے تو اُس صاف زبان کو
گر سات جنم لیوے تو بالفرض ز تقدیر
ویسا نہ ھو یک لفظ زبان سے ترے جاری
پیدا کرے ھرگز نہ ترا نطق وہ توقیر
ھر ایک کو حصہ ھے دیا اُس کے مناسب
قسام نے قسمت کی جو تقسیم کی جاگیر
جس جس کسی کا حوصلہ ظرف تھا جتنا
اُتنا ھی اُسے بادۂ حکمت سے کیا سیر
تجھکو دئے یکسر خزف اس کو گہر و لعل
اور اُس کو دیا آب بقا تجھکو گل قیر

سودا کے بعد انشا اور مصحفی کا نمبر آتا ھے -

اُردو طنزیات کی خوش نصیبی سمجھئے یا بدنصیبی، اس کا عروج لکھنؤ میں ہوا - دھلي پر خزاں طاری تھي ، اور لکھنؤ گہوارہ بہار - دھلي کے نوحہ خواں اگر لکھنؤ میں زمزمہ سنج نظر آئیں تو محل تعجب نہیں دلی والوں کا ٹھکانا اُس وقت لکھنؤ تھا - سودا ، انشا ، مصحفي ، میر ، سب نے "پورب کے ساکنوں" کي پناہ پکڑی دلي کے بجائے لکھنؤ کے کوچے "اوراق مصور" نظر آنے لگے -

انشا اور مصحفي کي چشمکوں سے اُردو کا ایک معمولي طالب علم بھي واقف ھے اس لئے اُن کا تذکرہ غیر ضروری ھے تاھم، ان کے کلام کا تذکرہ کرنے سے پہلے مصنف آب حیات کے ان فقرون کو ملحوظ رکھنا چاھئے -

"شہرستان تجارب کے سیر کرنے والے جانتے ھیں کہ جب رواج عام کا راجہ ھولي کھیلتا ھے تو بڑے بڑے معقول وضع دار اشخاص اس کی چھینٹیں فخر سمجھکر سر و دستار پر لیتے ھیں - پس وہ (سید انشا) اور اُن کے معاصر ملک چھوڑ کر کہاں نکل جاتے - یہیں رھنا تھا اور اُنھیں لوگوں میں رہ کر گذران کرنی تھي -"

ایک جگھہ اور فرماتے ھیں -

"وقت حاکم جابر ھے اور پسند عام اُس کا واضع قانون ھے - اس وقت شاہ و امرا سے لے کر گدا اور غربا تک انھیں باتوں سے خوش ھوتے تھے اور قدر داني یہ کہ ادنیٰ ادنیٰ نظمون پر وہ کچھہ دیتے تھے جو آج کل کے مصنفون کو کتابون پر نصیب نہیں ھوتا - سید انشا اگر یہ نہ کرتے تو کیا کرتے - پیٹ کو کاٹ کر کہاں پھینکدیتے - ھنگامہ ھستي کے جواں مرد اسے بھي ایک قسم کا کمال سمجھتے ھیں کہ کسي رستہ میں درماندہ نہ رھیں -"

اسي سلسلہ میں ایک واقعہ کا بھي تذکرہ کیا ھے -

ایک شعر پر سید انشا اور شیخ مصحفي میں شکر رنجي ھوگئي

اور طبیعتوں کی شوخی نے زبانوں کی بے باکی کے ساتھ ملکر بڑے بڑے معرکے کئے - اس وقت آصف الدولہ شکار میں تھے - چنانچہ انہوں نے اپنے لکھنؤ میں نہ ہونے پر ہزاروں افسوس کئے اور بڑے اشتیاق سے ان ہجوؤں کو منگا کر سنا اور انعام بھیجے - فی الحقیقت ایک ایک مصرعہ ان کا، ہنسی اور قہقہوں کا منتر ہے - لیکن آج اگر انہیں کوئی لکھ بھی دے تو عدالت یا انصاف میں مجرم ہو کر جواب دہی کرنی پڑتی ہے" -

سودا، مصحفی اور انشا کی طنزیات، دربار اودھ میں عروج کو پہونچ چکی تھیں لیکن زمانہ کا رنگ دیکھئے، بقول مصنف آب حیات :-

"مرزا رفیع کی ہجویں ان کی کلیات میں موجود ہیں مگر شیخ مصحفی، سید انشا کی ہجویں فقط چند بڈھوں کی زبانوں پر رہ گئی ہیں - جن کی نظمِ حیات، عنقریب نثر ہوا چاہتی ہیں -"

اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ صرف سودا ہی کا کلام ایسا تھا جو سال و سنین کا بار اُٹھا سکتا تھا - دوسروں کی ہجویں صرف وقت کی چیزیں تھیں اور اسی وقت گِھس پس گئیں -

شیخ مصحفی، مرزا سلیمان شکوہ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے - سید انشا لکھنؤ آئے تو اُنہیں کا دور دورہ ہوا - شیخ اور سید کے آیندہ معرکوں کی بنیاد یہی تھی -اکثر غزلوں میں دونوں با کمال، دادِ سخن دیتے تھے اور موقع موقع سے ایک دوسرے پر چوٹ بھی کر جاتے تھے - شیخ مصحفی نے ایک جلسہ میں غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا -

تھا مصحفی یہ مائلِ گریہ کہ پس از مرگ
تھی اُس کی، دھری چشم پہ تابوت میں، انگلی

اسي طرح ميں سيد انشا کا ايک شعر تها -

دیکهه اس کي پڑي خاتم ياقوت ميں انگلي
هاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلي

جلسه ختم هونے کے بعد بے فکروں نے ان غزلوں ميں خوب خوب جدّت طرازیاں کیں - ایک شعر خصوصیت کے ساتهه قابل ذکر هے -

تها مصحفی کانا جو چهپانے کو پس از مرگ
رکهے هوئے تها آنکهه په تابوت ميں انگلي

يه گويا طرفين ميں "فساد" کا آغاز تها - مصحفی کو اس کی خبر ملی تو اُنهوں نے ایک فخریه غزل تصنیف کي ' جس کے چند اشعار درج ذیل هیں -

اک طرفه خر سے کام پڑا هے مجهے که هائے
سمجهے هے آپ کو وہ مسیحائے شاعري
اے مصحفی ز گوشۂ خلوت بروں خرام
خالي است از براے تو خود جائے شاعری
هر سفله را زبان و بیانِ تو کے رسد
آرے توئی فغاني و بابائے شاعري

انشا نے اُس کے جواب ميں هجو کی ایک بحر طویل کهه ڈالي - جس کا اقتباس یہاں کچهه ضروري نہیں معلوم هوتا - اسي زمانه ميں ایک مشاعره هوا - مصحفي نے بهي کچهه اشعار لکهے' طرح حور کي گردن' مخمور کي گردن' رنجور کي گردن تهي - سید انشا نے چند اعتراضات کئے' ساتهه هي ایک قطعه' هجو میں بهی پیش کر دیا - کہتے هیں " مصحفي مسّي ملا کرتے تهے اس لئے دانت سیاہ تهے' وہ بهي کچهه هلتے تهے ' کچهه گر پڑے تهے اور بڑهاپے نے اور شکل بگاڑ دي تهي " انشا کي نظم کے چند اشعار حسب ذیل هیں -

یوں خاطرِ شریف میں گذرا کہ بزم میں
کچلا ہوا شریفہ غزل کو بنائیے
ایسے نجس، کثیف، قوافي سے نظم میں
دندانِ ریختہ پہ پھپھوندي جمائیے
سرکار کي یہاں نہیں گلنے کي دال کچھہ
روٹي جو کھاني ہوئے تو پنجاب جائیے
خشکا گدھوں کو دیجئے لوزینہ گاؤ کو
واں جا کے بین بھینس کے آگے بجائیے

مصحفي نے بھي اس کا جواب دیا - فیصلہ مصنف آب حیات کي زبان سے سنئے -

"بے شک عام لطف بیان اور خاص طنزوں کے نشتر، سید انشا کي ترجیح کے لئے سفارش کریں گے......"

مصحفي کا آفتابِ عمر و دولت، لبِ بام تھا - لیکن اُستاد کي رفاقت میں شاگردوں نے عَلم جنگ بلند کیا - ان میں ایک شاگرد، گرم تخلص کرتے تھے اور دوسرے منتظر، سید انشا نے مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا -

آئینہ کي گر سیر کرے شیخ تو دیکھے
سرِ خرس کا، منھہ خوک کا، لنگور کی گردن

منتظر نے بھي غزل میں انشا پر چوٹ کی، ایک مصرعہ تھا -

باندھے دمِ لنگور میں لنگور کي گردن

یہ اشارہ تھا انشا کے ایک مخصوص طرزِ لباس آرائی کي طرف - سید انشا اکثر ڈوپٹا گلے میں ڈالے رہتے تھے جس کا ایک سرا آگے اور دوسرا پیچھے رہتا تھا - سید انشا نے ایک دوسرا شعر برجستہ کہا -

سفرہ پہ ظرافت کے ذرا شیخ کو دیکھو
سر لون کا، منھہ پیاز کا، امچور کي گردن

یہ کشا کش طوالت پکڑتی گئي - سید انشا اور مصحفي دونوں اپنے اپنے بوتے اور بساط کے مطابق ، فحاشي اور مغلظات پر اُتر آئے-نوبت یہاں تک پہونچی کہ منتظر اور گرم نے شہدوں اور لچوں کو اُکسایا - سید انشا کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے یہ پورا لشکر روانہ ہوا- سید نے کمال فرزانگي سے اِس آفت ناگہاني کو رفت گذشت کر دیا - لیکن اُس کے بعد انشا نے جواب ترکي بہ ترکي دیا - مصنف آب حیات نے اُس کا نقشہ یوں کھینچا ھے :-

"لیکن پھر سید انشا نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت کا تھا، یعنے ایک انبوہ کثیر ، برات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب غریب ہجویں تیار کر کے لوگوں کو دیں ، کچھہ ڈنڈوں پر پڑھتے جاتے تھے ، کچھہ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے ، ایک ہاتھہ میں گڈا ایک میں گڑیا ، دونوں کو لڑاتے تھے، زبانی ہجو پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک شعر یہ ھے

سوانگ نیا لایا ھے دیکھنا چرخ کہن

لڑتے ہوئے آئے ھیں مصحفي و مصحفن"

انشا اور مصحفی کي ہنگامہ آرائیوں پر آزاد کا قول فیصل یہ ھے :-

"سید انشا کی طبیعت کی شوخی اور زبان کی بیباکی ، محتاج بیان نہیں - بہت سی رذیل اور فحش ہجویں لکھیں کہ جن کا ایک ایک مصرعہ ، ہزار قمچي اور چابک کا طراقا تھا- بڈھا بیچارہ بھی اپني شیخي کی جریب اور عصائے غرور کے سہارے سے کھڑا ہوکر جتنا کمر میں بوتا تھا مقابلہ کرتا رہا - "

سید انشا کے بارہ میں مولوی عبدالباري صاحب ، آسي نے اپني مشہور تصنیف "تذکرۂ خندۂ گل" میں فرمایا ھے -

"...... وہ خِلقۃً نہایت ظریف ، ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے - اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ھے کہ درباري شاعر یا نوابي دربار کي

مصاحبت کی وجہ سے انہیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی - مگر میں اس کے خلاف ہوں - حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے - اب دیوان کو دیکھئے تو ضرورت اور بے ضرورت ، جا اور بے جا، سب جگھہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے ...... حقیقت یہ ہے کہ انشا ، ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ ظرافت ہی کہتے، تب بھی اُن کا علم و فضل اُتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے - اُن کی ظرافت کے اقسام گنانا ، ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے - جو شخص بات بات میں ظرافت کے دریا بہائے کوئی کہاں تک اس کا اندازہ کر سکتا ہے - پھر بھی ریختی کو اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے - ""

طنزیات کے ذیل میں اگر ریختی کو بھی داخل کر لیا جائے تو اس سلسلے میں رنگین ، انشا اور جان صاحب خصوصیت کے ساتھہ مشہور ہیں - اُن کے کلام (ریختی) کا جستہ جستہ اقتباس (از تذکرۂ خندۂ گل منقولۂ صدر) نذر ناظرین ہے -

---

میرزا سعادت یار خاں، رنگین :-

کروں میں کہاں تک مدارات روز
تمہیں چاہئے ہے وہی بات روز
گئے ہیں مرے گھر میں سب تجھہ کو تاڑ
کیا کر نہ رنگیں ، اشارات روز

مجھہ کو اُس بات کا نہیں ہَوکا
بلدی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

گر کہے گی مجھسے کچھہ منھہ پھوڑ کر باجي تو پھر
تھنڈي کر ڈالونگي میں هاتھونکي ساري چوڑیاں

———

جو هوني تھي سو بات هو لي کہارو
چلو لے چلو میري ڈولي کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کر لو
یہاں سے هے کے پیسے ڈولي کہارو

——

تجھسے جب تک نہ ملي تھي مجھے کچھہ دکھہ هي نہ تھا
هاتھہ ملتي هوں بري بات کو کیوں مان گئي
بولے وہ آؤگے کب میں نے تب ان سے یہ کہا
بندي هرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئي

——

هر مہینے میں کڑهاتے تھے مجھے پھول کے دن
بارے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

——

تھوکتا بھي تو نہیں هے مردوا اسکو کوئي
اتنا اتراتي هے جوبن پر ددا کس واسطے
ریختي کہلي اجي رنگیں کي یہ ایجاد هے
منھہ چڑاتا هے موا انشاء جیا کس واسطے

——

سید انشا الله خاں ء انشا ـ

مجھہ سے نہ اُڑء زناخي تو رات کو کہیں تھي
چھپتا هے رنگ کوئی ایسي مَلي دلي کا

ہاتھوں سے تیری میں تو کمبخت عاجز آئی
جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا

تھام تھام اپنے کو رکھتی میں بہت سا لیکن
کیا کہوں تھم نہیں سکتا میرا اندر والا

کچھہ تجھے شرم بھی ہے بیٹھہ پرے او کمبخت
تاڑ جاوینگے بڑے لوگ ارے او کمبخت

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج
اے ددا جان وہ کمبخت برا کام ہو نوج
مردوا مجھسے کہے ہے چلو آرام کریں
جس کو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج
دن دہاڑا ہی رہے ، جی تو بچے اے انشا
کلموہی کالی بلا ہائے وہ پھر شام ہو نوج

باجی تم چاہتی ہو بلدی سے جیسا اخلاص
اجی دو کواریوں میں نوج ہو ایسا اخلاص

پھر جو کچھہ بول اُٹھوں میں تو یہ طعنے دوگے
ٹھہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

میر علی یار جان (جان صاحب)

وہ تھے اُستاد، اُن سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت
کیا پر نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا

چپکے رهنے میں تها حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال هوا

مردوے کهاتی هوں میں تہسوں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئی هوں میں جو اکبار کہیں
جا کے سسرال میں دولها سے صنم خانم تم
پہلے هی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

نہ دیکهہ دولها کو ساس نندوں کے آگے گهونگٹ اُٹها اُٹها کر
نئی نویلی دلهن هے بچی ابهی تو دو چار دن حیا کر

نامرد هے؟ نہ جورو سے اب تک خبر هوا
قربان اس حیا کے؟ بوا سال بهر هوا

مجهے نفرت هے صورت سے نگوڑے جان صاحب کی
وہ اسکی شکل کیا هے اے بوا قربان کی صورت

نہ جاؤ تم؟ پڑو چولهے میں؟ بهیجو میرے بهائی کو
لگے هیں درد؟ مرتی هوں؟ بلا لائے وہ دائی کو

بامهن یہ مجهسے کہتا هے پوتهی بچار کے
پهندے میں تم پهنسوگی بس اب تین چار کے

اُس کے بعد غالب کے "باغ و بہار" رقعات سامنے آتے ھیں - جہاں تک نثر اُردو کا تعلق ھے برجستہ اور بے تکلف ظرافت کے اولین نمونے ھم کو غالب کے رقعات میں ملتے ھیں - طنز اور ظرافت کي داغ بیل، سب سے پہلے اُردو نثر میں غالب نے ڈالي اور یہ پیش خیمہ تھا "اودھ پنچ" کي زعفران زار نظم و نثر کا، جس کا تذکرہ آیندہ صفحات میں آئے گا -

رقعات غالب —

"پیر و مرشد! ۱۲ بجے تھے - میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ھوا حقہ پي رھا تھا کہ آدمي نے آ کر خط دیا، میں نے کھولا، پڑھا، بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا - اگر ھوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا - حضرت کا کیا جاتا، میرا نقصان ھوتا........پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ھوا، پہلا باغیوں کا لشکر، اس میں اھل شہر کا اعتبار لٹا - دوسرا لشکر خاکیوں کا، اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین، آثار ھستي سراسر لٹ گئے - تیسرا لشکر کال کا، اس میں ھزارھا آدمي بھوکے مرے - چوتھا لشکر ھیضے کا، اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے - پانچواں لشکر تپ کا، اُس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئي -"

مرزا علاءالدین خاں کے نام -

"سنو عالم دو ھیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل..... ھر چند قاعدۂ عام یہ ھے کہ عالم آب و گل کے مجرم، عالم ارواح میں سزا پاتے ھیں - لیکن یوں بھی ھوا ھے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ھیں - چنانچہ ۸ رجب ۱۲۱۲ ھجري کو مجھ کو روبکاري کے واسطے یہاں بھیجا - ۱۳ برس حوالات میں رھا - ۱۷ رجب

۱۲۳۵ ھجري کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑي میرے پاؤں میں ڈال دي اور دلي شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈالدیا۔ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیل خانہ میں سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا پایانِ کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسي محبس میں بٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدي گریز پا ہے۔ دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں۔ پاؤں بیڑیوں سے فگار۔ ہاتھ ہتکڑیوں سے زخمدار۔ مشقت مقرری اور مشکل ہوگئي۔ طاقت۔ یک قلم زائل ہوگئي۔ بیحیا ہوں سال گذشتہ بیڑي کو زاویہ زندان میں چھوڑ۔ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا........ کہ پھر پکڑ آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا۔ بھاگنے کي طاقت بھی تو نہ رہي۔ حکم رہائي دیکھئے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسي ماہ ذالحجہ ۱۲۷۷ ھجري میں چھوٹ جاؤں، بہر تقدیر بعد رہائي کے تو آدمي سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھي بعد نجات۔ سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا۔"

"میاں! کس حال میں ہو، کس خیال میں ہو۔ کل شام کو میرن صاحب روانہ ہوئے۔ یہاں ان کي سسرال میں قصے کیا کیا نہ ہوئے۔ ساس اور سالیوں نے اور بي‌بي نے آنسوؤں کے دریا بہا دئے۔ خوشدامن صاحبہ بلائیں لیتي ہیں۔ سالیاں کھڑي ہوئي دعائیں دیتي ہیں۔ بي بي مانند صورتِ دیوار چپ۔ جي چاہتا ہے چیخنے کو مگر ناچار چپ۔ وہ تو غنیمت تھا کہ شہر ویران، نہ جان نہ پہچان ورنہ ہمسایہ میں قیامت برپا ہوجاتي۔ ہرایک نیک‌بخت اپنے گھر سے دوڑي آئی۔ امام ضامن علیہ السلام کا روپیہ بازو پر باندھا۔ ۵ روپیے خرچ راہ دئے مگر ایسا جانتا ہوں کہ میرن صاحب

اپنے جد کی نیاز کا روپیہ، راہ ہی میں اپنے بازو سے کھول لیں گے اور تم سے صرف پانچ روپئے ظاہر کریں گے - اب سچ جھوٹ تم پرکھل جائے گا۔ ۔ ۔ ۔"

"سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکلا ہے، بعد القاب کے شکوہ شروع کردینا۔ حضرت کا پتہ نہیں - ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آگیاسوپہلے تو مجملاً سنو، ایک غدر کالوں کا، ایک ہنگامہ گوروں کا، ایک فتنہ انہدام مکانات کا، ایک آفت وبا کی، ایک مصیبت کال کی - اب یہ برسات، جمیع حالات کی جامع ہے - آج اِکیسواں دن ہے، آفتاب اِسطرح نظر آجاتا ہے جسطرح بجلی چمک جاتی ہے - رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ اُنکو جگنو سمجھ لیتے ہیں مبالغہ نہ سمجھنا، ہزارہا مکان گر گئے، سیکڑوں آدمی، جا بجا دب کر مرگئے - گلی گلی ندی بہہ رہی ہے - قصہ مختصر وہ اَن کال تھا کہ مینہ نہ برسا، اناج نہ پیدا ہوا - یہ پن کال ہے، پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے۔۔۔۔۔۔۔

"۔۔۔سنو صاحب! شعرا میں فردوسی، اور فقرا میں حسن بصری، اور عشاق میں مجنوں، یہ تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں - شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہوجائے - فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے - عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو - لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی، تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری - بھئی! مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اُسکو مار رکھتے ہیں - میں بھی مغل بچہ ہوں - عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے - خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی ۔۔۔۔"

"مرزا صاحب! ہم کو یہہ باتیں پسند نہیں ۶۵ برس کی عمر ہے -

پچاس برس عالم رنگ و بو کي سير کي هے - ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے نصیحت کی هے که هم کو زهد و ورع منظور نهیں، هم مانع فسق و فجور نهیں - پیو کهاؤ مزے اڑاؤ - مگر یهه یاد رهے که مصري کي مکهي بنو، شهد کي نه بنو - میرا اِس نصیحت پر عمل رها هے کسي کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نه مرے - کیسی اشک فشاني، کہاں کي مرثیه خواني، آزادي کا شکر بجا لاؤ - غم نه کهاؤ اور اگر ایسے هي اپني گرفتاري سے خوش، هو تو چناجان نه سهي مناجان سهي - میں جب بهشت کا تصور کرتا هوں اور سوچتا هوں که اگر مغفرت هو گئي - ایک قصر ملا اور ایک حور ملي - اقامت جاوداني هے اور اِسي ایک نیک بخت کے ساتهه زندگاني هے - اِس تصور سے جي گهبراتا هے اور کلیجه منه کو آتا هے - هے هے وہ حور اجیرن هوجائیگی - وهي زمردیں کاخ اور وهي طوبیٰ کی ایک شاخ، چشم بددور وهي ایک حور، بهائی هوش میں آؤ کهیں اور دل لگاؤ ....۔"

"وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جي پر کیا گزري بقول شیخ علي حزیں

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں + شرمندگي از خرقه پشمینه ندارم

جب داڑهي مونچهه میں سفید بال آگئے تیسرے دن چیونٹي کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے - اس سے بڑهکر یه هوا که آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ناچار مسي بهي چهوڑ دی اور داڑهي بهي - مگر یه اور کهئے که اس بهونڈے شهر میں ایک وردي هے عام، ملا، حافظ، بساطي، نیچه بند، دهوبي، سقه، بهٹیارہ، جولاهه، کنجڑہ منهه پر داڑهي سر پر بال - فقیر نے جس دن داڑهی رکهي اسي دن سر منڈایا........۔"

اودھ پنچ (لکھنئو) نے سنہ ۱۸۹۷ع میں "زبان اور ظرافت کے چہرے سے نقاب اُٹھائي" اودھ پنچ کے آوردوں میں سے منشي سجاد حسین، پنڈت رتن ناتھہ سرشار، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، پنڈت تربھون ناتھہ ھجر، نواب سید محمد آزاد، مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز، منشی جوالا پرشاد برق، منشی احمد علي شوق، سید اکبر حسین، مولوي احمد علي کسمنڈوي کا نام خصوصیت کے ساتھہ لیا جاتا ھے اس میں شک نہیں کہ پنچ، ظرافت کا علمبردار تھا اور ظرافت کے اس بے پناہ آلہ نے زندگي کے کسي شعبہ کو اپنے وار سے محفوظ نہ رکھا - اُردو ادب میں اودھ پنچ، اپنے قسم کا اولین پرچہ تھا اور اکثر حیثیت سے وہ ظرافت وطنزیات کے رائج الوقت معیار کا بہترین ترجمان تھا، اس سلسلے میں بے موقع نہ ھوگا اگر پنڈت برج نرائن، چکبست آنجہاني کے وہ خیالات بھی ھدیۂ ناظرین کئے جائیں جو گُلدستۂ پنچ میں شایع ھوئے ھیں، فرماتے ھیں :-

اودھ پنچ لکھنئو کا عہد

"قوموں کے مذاق سلیم نے جو ظرافت کا اعلی معیار قائم کیا ھے اس کو دیکھتے ھوئے ھم اودھ پنچ کي ظرافت کو بحیثیت مجموعي اعلی درجہ کی ظرافت نہیں کہہ سکتے - لطیف ظرافت اور بذلہ سنجی و تمسخر میں بہت فرق ھے - اگر لطیف و پاکیزہ ظرافت کا رنگ دیکھنا ھے تو اُردو زبان کے عاشق کو غالب کے خطوں پر نظر ڈالنا چاھئے ...... اودھ پنچ کے ظریفوں کي شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ھے - اُن کے قلم سے پھبتیاں ایسی نکلتي ھیں جیسے کمان سے تیر ...... جو مظلوم ان تیروں کا نشانہ ھوتا ھے روتا ھے اور دیکھنے والے اس کي بیکسي پر روتے ھیں - ان کے فقرے دل میں ھلکي سي چٹکي نہیں لیتے ھیں بلکہ نشتر کي طرح تیر جاتے ھیں - ان کا ھنسنا، غالب کي زیر لب مسکراھٹ

سے الگ ہے - یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسرے کو بھی قہقہے لگانے پر مجبور کرتے ہیں -"

یہ سب صحیح، لیکن اُس عہد کو مد نظر رکھئے جب اودھ پنچ، عالم وجود میں آیا؟ اُردو کس رنگ میں تھی؟ اُردو لکھنے والے کس رنگ کے تھے؟ وہ فضا کیا تھی، سوسائٹی کا کیا رنگ تھا، پنچ پھر پنچ تھا اسپکٹیٹر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا، بایںہمہ پنچ کے علمبرداروں میں ہر قسم کے لوگ تھے- وہ لوگ بھی تھے جو خود قہقہہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی قہقہہ لگانے پر مجبور کرتے تھے اور ایسے افراد بھی تھے جن کو ایک طرف مسکرانے میں بھی تامل ہوتا تھا لیکن دوسری طرف سننے اور دیکھنے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے ان واقعات اور حالات کو دیکھتے ہوئے، جن کے ماتحت اودھ پنچ عالم وجود میں آیا، یہ حکم لگانا یقیناً قرین انصاف ہے کہ اودھ پنچ نے بحیثیت مجموعی اچھی اور ہر قسم کی طنز اور ظرافت کا نمونہ پیش کیا - قہقہہ لگانا، یا محض تبسم زیر لبی پر اکتفا کرنا؟ یا ایسا کرنے پر مجبور ہونا؟ ظرافت یا طنز کی نوعیت پر اتنا منحصر نہیں ہے، جتنا یہ چیزیں خود پڑھنے یا سننے والے کے ذوق اور ظرافت طبع پر منحصر ہیں- ایک پر لطف یا معنی خیز فقرہ پر بد مذاق ایسے بے ہنگام قہقہے لگا سکتا ہے جس سے بقیہ لطف اندوز ہونے والے، ہمیشہ کے لئے ہنسنے بولنے سے تائب ہو جائیں دوسری طرف ایک صاحب ذوق اس طور پر مزے لے سکتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو - اکبر اور آزاد کے ادبی کارنامے، اس نظریہ کی بطریق احسن ترجمانی کرتے ہیں- آزاد پھر بھی کبھی کبھی کھل کھیلتے تھے لیکن اکبر کے قدم کو کہیں ایسی لغزش نہیں ہوئی اور ہوئی بھی، تو وہ جائز حدود سے آگے نہیں بڑھی -

پنچ کا یہ دور بالکل قدرتی تھا - مغربیت کا سیلاب بڑھتا چلا آ رہا تھا - مشرق کو زوال نصیب ہو چکا تھا - اس لیے طبایع ہر اس

چیز سے بیگانہ یا متنفر تھیں جس میں مشرقی آب و رنگ کی جھلک ہوتی - دوسری طرف ہر اُس چیز کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھیں جن میں مغرب کی چاشنی ہوتی - پنچ نے ایک طرف اُن حیثیات سے بغاوت کی جو مشرق کے لیے باعث ننگ اور اس کی تباہی کا موجب تھیں - دوسری طرف اس نے اس کورانہ تقلید کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس کی بنا پر لوگ دیوانہ وار مغرب کی پذیرائی اور پرستش کر رہے تھے- اس میں شک نہیں بعض مواقع پر مثلاً گلزار نسیم کا مناقشہ ایسا ہے جس کا مذاق سلیم بمشکل متحمل ہو سکتا ہے بایںہمہ محض خسوف و کسوف کی بنا پر مہر و ماہ کو، کب تاریک کہا جا سکتا ہے -

بقول مرتب گلدستہ پنچ، منشی محمد سجاد حسین (۱۸۵۶-۱۹۱۵ ع مشہور اڈیٹر اودھ پنچ) نے، بلا کی شوخ طبیعت پائی تھی - بذلہ سنجی و ظرافت تو گویا مزاج کا خمیر تھی "

مسٹر گلیڈ اسٹن کو لکھتے ہیں ("کھلے خط اور سر بستہ مضامین")

"مولوی گلیڈ اسٹن صاحب طولعمرہ - دعائے خیر نصیب شما باد ! ایسے زمانہ میں، جبکہ چاروںطرف سے ہوائے شر و فساد، ہر ملک سے مسموم بغض و عناد کے جھونکے آ رہے ہیں تمہارے حق میں اس سے بڑھکر مناسب، دنیا میں شاید ہی کوئی اور دعا ہو......اوپری لیس پوت کے واسطے تمہاری ذات مخصوص ہے - مگر اس کے لوازم اور مسالوں کی فراہمی اور ترکیب سے تم ایسے محروم جیسے ہندوستانی، جودت سے - تم پولیٹکل دسترخوان کے اچھے خانساماں اور ہوشیار خدمتگار ہو - پکا پکایا کھانا، طیار ہانڈی، تم خوبی سے چن سکتے ہو - مگر ہانڈی

پکانے اور چیز تیار کرنے کے نام سے خاک دھول بکائن کے پھول - تم نہیں جانتے کہ طرح طرح کے کھانوں کے واسطے کون کون مسالا کیونکر پیسا اور ترکیب دیا جاتا ھے - کبابوں میں کس چیز سے گلاوت آتي ھے - پلاؤ کو دم کیسے دیتے ھیں - فارن پالیسی کا مزعفر اور متنجن' کیونکر خوشگوار چاشني پیدا کرتا ھے - کہتے ھیں جو کوئي چھچھوندر مار ڈالتا ھے اُس کے ھاتھہ سے لذت جاتی رھتی ھے - شاید ایسا ھی ھوا ھو - مگر اب یہ ضرورت بےشک معلوم ھوتي ھے کہ پہلے اچھا باورچي اور رکابدار سب تیار کر لے - پھر دستر خوان لگانے اور خاصہ چکھنے کے لیے تم بلائے جاؤ''

،، پیارے کارسپانڈنٹ کا پیارا خط' پیارے سالے کے نام ؟؟

،، میرے پیاري جورو کے عزیز بھائي ؟؟ خدا تم کو نیک راہ پر چلائے جس میں تمھاري بھن پژمردہ رھکر مجھکو پریشان نہ رکھا کریں - افسوس تمھاري بےکاري اور اس پر شادي کي خواستگاري - تمھاري بھن کو تو بڑي خوشي ھے کہ ایک پیاري' تربیت یافتہ بھاوج ملیگي مگر بھائي میں ایک سلھجا ملنے کي آرزو میں سالے کو برباد کرنا پسند نہیں کرتا...... رھی یہ بات کہ دنیا میں شادي ایک ضروري فعل ھے - خدا کي ودیعت اس سے بڑھتي ھے.......مگر یہ تو تب ھي ھونا چاھئے' جب پہلي کا وقت گذرا جاتا ھو اور دوسري میں فتور پڑتا ھو .. ..دو برس اور کالج نہ چھوڑو - بي - اے اور ایل ایل بي - پاس کر لو..... رات دن پڑھنے کي جگہہ' کچھري اور سونے کے کمرے میں اپنے اور بي بي دونوں کے پیٹ بھرنے کي کوشش کرو - دیکھو کیسا جلد دولت والے - گھر والے - خدا کی قدرت ظاھر کرنے والے - اس کي ودیعت بدیعت کے بڑھانے والے مشھور ھو جاؤگے - اور اس حالت میں تو مَیں ھرگز شادي کرنے کي صلاح نہ دونگا - تمھارے تو باپ کی بھي دولت نہیں ھے

اور ہوتی تب بھی میں باپ کی قوت پر شادی کی صلاح نہ دیتا ''

'' نیچر کا مارشل لا ''

'' ....جس طرح ہماری سرکار، درندہ جانور پر، نر کی بہ نسبت مادہ مارنے سے دونا ڈیوڑھا انعام دیتی ہے کیونکہ وہ تو پیدائش کی جڑ ہے - اسیطرح حضرت عزرائیل نے عورتوں پر چھری پھیرنا شروع کر دی کہ نہ یہ ہونگی نہ انسان، برسات کے مینڈکوں کی طرح، گلی کوچوں میں کچ کچا کے پیدا ہوگا، نہ مردم شماری کے نقشے آئے دن غلط ہوا کریں گے - آپنے ایک دفعہ نقشہ بھر لیا - سو دو سو برس کو کافی ہے کبھی کبھی جانچ کرلی - فوتی فراری کا نام نکالڈالا، یہ روز کا قلم جاری رہنا تو موقوف ہوگا '' -

---

پنڈت تربھون ناتھہ سپرو، ہجر -

محرم الحرام :— ....بھئی لکھنؤ کا بھی محرم یاد رہے گا - ہم خرما و ہم ثواب - دنیا اور عقبیٰ دونوں کے فائدے - زیارتوں میں قندمکرر کی حلاوت - روحانی اور جسمانی دونوں لذتیں......بی حیدرجان کے سوز نے کیا کیا چھوتیں لی ہیں کہ واہ جی واہ - وہ رکھب گندھار لڑتی ہوئی ٹیپ کی تانیں تھیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ - ایک ہی مصرعہ کی تقسیم میں ملتانی، سری راگ اور بھیرویں کی چھاؤں دکھائی دی اور پھر کیا مجال کہ پڑھتے وقت چہرے پر شکن آتی - ایسا گلے کا لوچ اور آواز میں سوز وگداز دیکھا نہ سنا......''

منشي جوالا پرشاد، برق (البرٹ بل)

"........پیارا بل ہاتھہ سے بے ہاتھہ ہوگیا ۔ اس کي پیدائش پر کیا کیا ناز تھے ۔ اس کے والدین نے اسے کیسے کیسے لاڈ سے پالا........ سوتیلی ماں کے پالے پڑا ۔ ماں باپ ہاتھہ مل کر رہ گئے.........جن پر ہمیں بھروسا تھا، جو ہماری خیرخواہي کا دم بھرتے تھے، وہي دغا دے گئے ۔ وقت پر نکل کھڑے ہوئے ۔ کاندھا ڈالدیا ۔ گویا ہم بیچو بیچ سمندر میں ایک ٹاپو پر اُترے تھے ۔ کھانا پکایا دستر خوان بچھایا ۔ جیسے ہي کھانے کو ہاتھہ بڑھایا کہ دفعتہً جزیرہ ہلنے لگا اور دم کے دم میں سب غڑاپ سے سمندر میں ۔ افوہ دھوکا ہوا تھا ۔ وہ جزیرہ نہ تھا ۔ وہیل مچھلي کي پشت تھي........."

مغرب اور مغربیت کے خلاف، نواب آزاد نے جس معقول اور دلنشین پیرایہ میں طنز کي ہے اس کا جواب، بحیثیت مجموعی اردو ادب میں ملنا دشوار ہے ۔ آزاد کي طنز و ظرافت میں جو چیز نہایت نمایاں اور بامزہ ہے وہ ان کي خلقی شگفتگي ہے ۔ کینہ پروری اور زہر ناکی کا عنصر کہیں نمایاں نہیں ہے ۔ اس اعتبار سے ان کو اُردو ادب کا ہوریس اور چاسر کہنا نا موزوں نہ ہوگا ۔ آزاد نے ہندوستان کے سیاسي اور معاشرتي رجحانات پر نہایت جامع طریق سے اظہار خیال کیا ہے ۔ ان کي طنز اور ظرافت، اتني صحیح اور جامع، اور ادب و انشا کے صحیح معیار کي اس درجہ حامل ہیں کہ ان کے بقائے دوام پر دو رائیں ہونا تقریباً نا ممکن ہے ۔ بایںہمہ اس سے انکار بھي نہیں کیا جاسکتا کہ نواب آزاد کي تحریریں، اکثر کافی حد تک عریاں ہیں اور کہیں کہیں تبسم زیرلبی کے بجائے، دانتوں تلے اُنگلیاں بھي دبانی پڑتی ہیں ان کے مضامین کے جستہ جستہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

نواب سید محمد آزاد، آئي، ایس، او :—

نواب آزاد، اپني عفت بیگم کو نئی روشني کی تلقین فرماتے ھیں -

"میں تو یہاں پڑھنے آیا ھوں - مگر کیا خاک کتاب دیکھوں کوئي آن، گوئی وقت، کوئی لحظه بھی تو آئینۂ خیال کسي پري‌وش کے جلوہ سے خالي نہیں رھتا- جب کسی فرنگن کی واٹرسلک کي گون پر آنکھ پڑ جاتی ھے - مجھے تمھارا گرنٹ کا پائجامه کس نفرت سے یاد آتا ھے - جب کسي کی میم کو دوسرے صاحب کے ساتھ بے تکلفانه ناچتے کودتے دیکھتا ھوں، تمھاري شرم ایک تیر کي طرح دل کے پار ھوجاتی ھے - جب کسي معزز لیڈی کو بیف کے ٹکڑے پر ھاتھ صاف کرتے دیکھتا ھوں تمھارا چپاتیوں کو حنائي انگلیوں سے کھٹکنا یاد آتا ھے اور کیا جي گھبراتا ھے.........یہاں کي عورتیں، واللہ عورتیں نہیں ھیں تمھارے لکھنؤ کي بیگمیں نہیں ھیں که بھوت کا قصه سنکر ڈریں، شیر کے نام سے کانپ جائیں - توپ کے آواز سے تھر تھرانے لگیں.........ایک چپاتي کھانے پر غرور کریں، حضرت عباس کی درگاہ تک جانے کو حج کا سفر جانیں - حوران انگلستان ایک دم میں پرانے بھوت سر سے اُتار دیں.......شیروں کے شکار کا تماشا دیکھنے جاتي ھیں - موقع اور محل سے ھاتھي پر بیٹھکر گولی بھي لگاتي ھیں.........سیر کرنے روم اور جزائر اور سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں پر، مرد احباب کے ساتھ بلکه اکثر اوقات تنہا بھی چلي جاتي ھیں.......اپنے شوھروں کو وطن میں چھوڑ کر عجائبات روزگار دیکھنے، دور دراز ملکوں میں چلي جاتي ھیں اور اپنے تجربه کو پخته کرتی ھیں - بڑے بڑے لال کلّے اور سفید کلّے والے سفیروں سے ڈٹ کر ھاتھ ملاتي ھیں.........کسي کے مرجانے سے برسوں لباس سیاہ پہنکر پیتي کھاتي اور ناچتي گاتي اور اس کي روح کی دعوت میں مصروف رھتی ھیں.........عمر بھر پارسا

بلکہ گرجوں میں پادری صاحبوں کے ہاتھہ پر صبح و شام توبہ کرتی ہیں ․․․․․․․ اگر میں تم کو ساتھہ لاتا، تو سارا لندن تمہارا تماشا دیکھتا ․․․․․․․ بیسیوں نوجوان لارڈ اور ڈیوک روزانہ مجھسے ملنے آتے ․․․․․․․ میرا کام مفت میں نکلتا - یہاں عورتوں کی سفارش، ہر قسم کی سفارش سے زورآور اور پر اثر ہے - ان کی سفارش سے بڑے بڑے جلسوں کا ممبر بنتا ہے - ان کی سفارش سے عہدہ ہائے جلیلہ ملتے ہیں - ان کے ذریعہ سے اعلی درجہ کی صحبتوں میں رسائی ہوتی ہے - ان کی سفارش سے وزرا کی حکمت عملی میں فرق آجاتا ہے - ان کے دباؤ سے بڑے بڑے مدبّر، اپنی رائے بدل ڈالتے ہیں ․․․․․․․․․ مگر جب تک تمہارے باپ (جن کو میں ایک بڑے اور نیم مردہ قاز سے تشبیہ دے سکتا ہوں) زندہ ہیں، بہت سی دقتیں پیش آئیں گی ․․․․․․․․․ " -

ایک دوسرے خط میں (ڈیر پاپا) والد بزرگوار کو مخاطب کیا ہے :—

" ․․․․․․․ یہاں کے ہوٹلوں اور مکانات عام میں، اکثر نوکروں کی جگہہ خوبصورت ، طرحدار ، تربیت یافتہ ، چست اور چالاک، کمسن عورتیں ہیں اور یہی لوگ ہر قسم کا کام، دن کو اور رات کو دیتی اور کرتی ہیں - اور اس خوش اخلاقی اور مروت سے پیش آتی ہیں کہ آدمی، اُن پر جان دینے لگتا ہے - حضور کے سر مبارک کی قسم، میری تو یہ کیفیت ہے کہ بے اختیار ان کو مارے محبت اور اخلاق کے گلے سے لگا لینے کو جی چاہتا ہے ․․․․․ حضور اگر دس ہزار روپئے سے میری تائید کریں، تو میں یہیں شادی کرسکتا ہوں - اور ایک بڑی قابل، حسین اور صاحب جائداد دلہن کو لے کر وہاں آسکتا ہوں - اس کی طرف سے تو کورٹ شپ کے لئے اصرار ہے مگر میں نے چونکہ حضور کی مرضی اس بارہ میں دریافت نہیں کی، اس لئے مجکو اب تک

انکار ہے..........اگر میری شادی میری پسند کے موافق یہاں ہوجاے اور میں اپنی بی‌بی کو لے کر وہاں آوں اور چورنگی میں بر لب میدان ایک ہوا دار اور پر شوکت ایوان میں رہوں - تو اس وقت حضور دیکھہ سکتے ہیں کہ میری ولائتی بی‌بی اپنی لیاقت اور اخلاق سے کلکتہ کے اعلی درجہ کی صحبتوں میں کیسی رسائی پیدا کرتی ہے - روز کتنے دیسی، سویلین اور ملٹری، جن کو خداوند کہتے کہتے آپ کی زبان خشک ہوتی ہے - میری میز پر صبح و شام کھاتے پیتے اور ناچتے گاتے ہیں اور ہم لوگون سے اور یورپین لوگوں سے کیسی بے تکلفی اور دوستی رہتی اور ہوتی ہے..........یوں میم ہونے کے سبب سے اماں جان اور ابا جان اور خالہ اماں، اس سے نفرت کریں تو یہ دوسری بات ہے مگر صورت، سیرت دیکھکر تو خدا کی قسم پھڑک ہی جائیں گی - اس بارے میں اور عزیزوں سے صلاح کرکے حضور مجھے جلد اپنی راے سے آگاہ فرمائیں - کیونکہ اب میرا کلیجہ درد ہجراں سے مونہ کو آتا ہے اگر وقت معینہ پر جواب عریضہ نہیں ملا تو شاید میں عالم اضطراب میں کورٹ شپ شروع کردوں اگر بعد اس کے آپ نے خلاف میں راے ظاہر کی تو آپ کو ہرجہ دینا ہوگا.........،،

ایک دوسرے عریضہ میں ڈیر پاپا کو اخلاقیات کا سبق دیا گیا ہے

،،......حضور کے سرفراز ناموں میں نہ تو کہیں امورات تمدنی پر راے زنی ہوتی ہے نہ کسی مسئلہ اخلاقی پر بحث، نہ گورنمنٹ کی کاروائی پر نکتہ چینی، نہ جنگ کابل کا حل - پھر کیا آپ نے مجھے بارہ تیرہ ہزار روپیہ خرچ کر کے ممانی اماں کی خفگی، اماں جان کی بدمزگی، خالہ اماں کی لڑکی کی شادی، چھوٹے بھائی کے مکتب اور محلہ والوں کی شادی غمی کی خبروں کے سننے کیلئے یہاں بھیجا ہے - میں حضور کے سرفراز ناموں کو اس طرح چھپاتا ہوں جیسے

عورت عمر ؟ مبروص داغ ؟ کیونکہ خدانخواستہ اگر حضور کا غیر مہذب مراسلہ' یہاں کسی کے ہاتھہ پڑ جاے تو پھر لندن میں میرا رہنا مشکل ہوجاے اور شاید فرط غیرت سے میں خودکشي کرلوں .... حضور برابر تاکید فرما رہے ہیں کہ یہ ہیچ میرز بھی چھوٹی بیگم کي شادی کے بارے میں راے دے ...... افسوس ہزار افسوس کہ اب تک خیال شریف میں یہ موٹي بات بھي نہیں آتي کہ جب تک آدمي انگریزی نہ پڑھے کبھي زیور علم و اخلاق سے واقف اور نسواں کے فرشتہ سیرت اور حور نژاد فرقے کي قدر و منزلت سے آگاہ نہیں ہوسکتا - للہ ایکبار .... تشریف لائے اور خاندان کي ساری مستورات کو لیتے آے - پھر دیکھئے عورتیں کس طرح رہتي اور مردوں کي جودت کي کل کو اپنی گرما گرمي اور باضابطہ اور پاک ناز نخرے سے کس طرح گوماتي رہتي ہیں - .... میری راے میں چھہ برس تک تو شادی کا ذکر ھي نہ کریں - ابھي اُس کی عمر ھی کیا ھے صرف ۱۷ برس - اور یہ عمر شادي کے واسطے مہذبوں میں نہیں ھے - چھہ سال بعد اس کو دولھا پسند کرنے کا موقعہ دینا چاھئے .... پس میری خواھش یہ ھے کہ آپ جلد اس کا سامان سفر درست کریں ...... اس کے آنے کا بندوبست بخوبي سہل طور سے ھوسکتا ھے یعني حضور اخبار دیکھتے رھیں - جب کوئي طالب‌العلم یہاں آنے والا ھو اس کے سپرد کردیں اور اگر یہ نہ ھوسکے تو کسي حاکم یا نیل والے کے ساتھہ بھیجیں کیونکہ ایک یوروپین کے ساتھہ وہ زیادہ آرام سے آسکیگی - نیٹو لوگ مستورات کی قدر نہیں جانتے .... ھاں شاید آپ یہ کہیں کہ اماں جان کی مفارقت' چھوٹي بیگم کو گوارا نہ ھوگي اس کا جواب یہ ھے کہ حضرت والدہ صاحبہ کے آنے میں کون سي قباحت ھے کیونکہ حکام عالي مقام کي میم لوگ جب برسوں ان سے جدا

رہ سکتی ہیں تو آپ نے اگر تھوڑے عرصہ کے لئے اپنے سے جدا کیا تو مضائقہ کیا ہے ۰۰۰۰۰۰''

نواب آزاد نے ایک ڈکشنری بھی اپنے مخصوص رنگ میں تصنیف کی ہے جس کے متعلق پروفیسر شہباز کا خیال ہے کہ '' اس رنگ نے وہ عام مقبولیت حاصل کی ہے کہ اس وقت کے کل رنگ پھیکے پڑ گئے '' حقیقت یہ ہے کہ یہ ڈکشنری بجائے خود اس عہد کی صحیح اور سچی تصویر ہے اور اسی عہد کی نہیں ، بلکہ چونکہ یہ ، حقیقت اور انسانی فطرت اور معاشرت پر مشتمل ہے اس لئے آئندہ ایک نامعلوم مدت تک اس کی کارفرمائی رہے گی - چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں -

پالسی :—گیدڑ بھپکی ، ہوائی بندوق کی آواز ، کمزور کو دبانا ، زبردست سے ڈرنا ، ممبران پارلیمنٹ کا آپس کا ناز و نیاز ، کسی کے جلتے ہوئے گھر سے تاپنا ،

انٹرسٹ (حقوق) :—وہ چیز جس کی حفاظت ضروری نہیں ، ایک قسم کی تمدن کی مچھلی جو کبھی جال میں نہیں پھنستی ،

پارٹی فیلنگ (پاسداریٔ جماعت) :— غول بیابانی کا قائم مقام بنکر اپنے ہم قوموں کو راہ راست سے بھکانا ، بے وجہ کسی سے عداوت ازلی ،

سویلزیشن :—اپنے ہموطن کو نیم وحشی جاننا - اپنے بزرگوں کو '' اولڈ گوس '' (پرانا قاز) کہنا ، ہارمونیم کی گت پر ، برانڈی کی دھن میں، پیروں سے تال دینا۔

تعلیم نسواں :— عام جلسوں میں اپنی بہو بیٹیوں کو لے جانا -

اپنی میم کا ، ناچنے کے جلسہ میں ایک وقت کے لئے
دوسرے کی میم سے تبادلہ کرنا

کارشلس :—ایک خاص قسم کا مادہ سنگ مثانہ جو مدبّروں کے دماغ کا جزو لاینفک ہے اور جس کو کسي ڈاکٹر نے آج تک پہچانا نہیں ، ہر قسم کے معاہدے کا ، خاص ضرورتوں کے لئے توڑ دینا - ایمان کو حکمت عملي کي اسپرٹ سے تر رکھنا -

پارلیمنٹ :—وہ پالي جہاں کا اصیل اور تیتی دونوں کرے - تمدن کے دنگل میں حکمت عملی کے مطابق وزرا کے چت پٹ ہو جانے کا سہارا -

یوروپین کنسرٹ (انجمن سلاطین یورپ) :—کمزور سلطنتوں کے لئے بٹوارے کا نیا قانون - دوسروں کے انتظام خانگي میں دست اندازی کا بہانہ ، محجوب المیراثوں کے حقوق کا سرپرست ، مشرقی مسئلہ حل کرنے کي کھرل ، اصیل کے واسطے سنگ ریزہ اور تیتی کے لئے دانہ ، احمد کا مردہ محمود کی قبر !

اولڈ پاپا (پدر بزرگوار) :—اثبات حلال زادگي کے واسطے بے نظیر دلیل - بے ضرورت دنیا میں رہنے اور دنیاوی امور میں دخل دینے کو ہر وقت طیار ، آزادي نسواں کے لئے برق آفت ، انیسویں صدي میں مسلمانوں کي سب سے بڑي شامت -

ان کے علاوہ اور بھي الفاظ ہیں مثلاً کورٹ شپ ، تھیٹکس ، نائکا ، ڈومنی ، الکشن زادہ ، آیا ، میانجي وغیرہ ، جنکا اعادہ بخوف طوالت نہیں کیا جاتا -

نواب آزاد نے "خمارستان کے تہذیب یافتہ مدکیوں کی تجارت کے جلسہ کا سالانہ ڈنر" بھی لکھا ہے - "حاضرین نکبت قرین" میں ، مسٹر پینک اندولہ (چیرمین) چسکی الملک (گورنر صوبہ تریاک آباد) مرزا خمار بیگ (راقم فوچو گزٹ) سید بانبو جنگ (کمانڈر انچیف افواج فغفوریہ) دھواندار خاں (انسپکٹر جنرل چانڈو خانجات) موجود تھے -

چیر مین نے اُس "شہنشاہ آفتاب نسب - عادل' انصاف گستر" کا جام صحت تجویز کیا ہے :-

"............جس کی رعیت سے بڑھ کر کسی کی رعیت' منکسرالمزاج' نرم طبیعت اور تہذیب یافتہ نہیں اور جس کی نیک نیتی اور پاک طینتی کی برکت سے افیون کی سی مفید' نفس کش اور مفرح چیز ہم لوگوں کے استعمال میں ہے... اور جس کی بدولت قوم حکمران نے ہم لوگوں کی جیب کا لاکھوں روپیہ پایا ہے (چیرس) یہ اسی متبرک چیز کی برکت ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں نے آج تک بجز اس کی یاقوتی رنگت کے' خون کی رنگت تک خواب میں نہیں دیکھی' اور یہ اسی کی کرامت ہے کہ صدھا سال سے ہمارے کان ' بجز سامع نواز آواز بانبو کے' توپ و بندوق کی وحشت انگیز اور عافیت سوز آواز سے آشنا نہیں.........ایسے ایسے کامل پروفسر لوگ ہماری یونیورسٹی میں ہیں جو برسوں مراقبے میں ستارے اور بروج

کا حال دریافت فرماتے رہتے ہیں۔ ....''

اس کے بعد مرزا خماربیگ نے یوں گہر افشانی فرمائی :۔

''........میری دلی مسرت اور بڑی عزت کی یہ بات ہے کہ میرے سپرد اس جلیل‌القدر مہمان کا توسط ہوا ہے جو آج اتنے بڑے صوبہ کا گورنر ہے اور جس کی قلم کی نوک پر ہم لوگوں کے اقبال و ادبار کا دار و مدار ہے.........میں اپنی خوش نصیبی سے گورنر ممدوح کا ذاتی دوست بھی ہوں اور اکثر میں نے لڑکپن میں اپنی ولایت کی چراگاہوں میں ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے سور کے خوشنما اور خوش رفتار اور نیک اطوار بچوں کو چرایا ہے۔ جو صفائی اور رونق کہ سرشتہ آبکاری کی، ان کی زمان حکومت میں ہوئی ہے ایسی کبھی آج تک دیکھی نہیں گئی تھی اور صرف شراب اور افیون کی تجارت کو ترقی دینے سے اس قلیل عرصہ میں تہذیب اور علم ایسا شائع ہوئے کہ ہر کوچہ و بازار میں شراب خانے اور مدک خانے کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کے دیکھنے سے نیک نیت آدمیوں کی آنکھوں کو بڑا آرام ملتا ہے........چیف کمشنر خرابہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب سے رم کو ان کوہستانی ملکوں میں رواج کیا گیا ہے تب سے سیکڑے میں بیس آدمی آگے سے زیادہ قحط کی سختی اور خوف کو کم کرنے کے لئے دارالبقا میں نشیمن کرتے جاتے ہیں........''

اس کے بعد ان سب کا جواب دینے کے لئے چسکی الملک (آنکھہ ملتے ہوئے) اٹھہ کھڑے ہوئے - سب سے پہلے انھوں نے مرزا خمار بیگ کا شکریہ ادا کیا - فوچو گزٹ اور دیگر اخبارات اور آنریبل ممبران کونسل کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کیا اور پھر یوں گویا ہوئے :-

".................اس ملک کے انتظام کی باگ لیتے ہی میں نے آبکاری کی طرف اپنی کامل توجہ مبذول کی اور اس میں جو کچھہ ترقی ہوئی ہے اس کا حال عام شفاخانوں یعنی شراب خانوں اور چنڈو خانوں کے نقشوں کی طرف دیکھنے سے ظاہر ہوسکتا ہے - افیون کا تجربہ ہمارے ملک چین میں ساتھہ کامیابی کے ہوچکا تھا اور اس لئے اس پر مجھے کامل بھروسہ تھا اور شراب نے انگلستان کو جو فائدہ پہونچایا ہے اس سے میرا ذہن خالی نہ رہا - الحمدالله کہ ان دونوں چیزوں کے شائع کرنے اور پھیلانے سے خاطر خواہ ، عمدہ اور زود اثر ثمرہ ملا - افیون نے یکقلم خونریزی ، ڈاکے، بغاوت اور خانہ جنگیوں کا انسداد کردیا اور شراب نے تجارت کو چمکایا - نحیف القوی آدمیوں کو ہر قسم کی محنت کرنے کی طاقت بخشی، عہدہ داران فوجداری کے فائل کو بھاری کیا ، کونسلیوں کے جیب و دامن بھردئے -- گورکنوں کی تعداد بڑھائی ، آئندہ قحط کا کامل طور پر انسداد کیا - اور فروغ

علم و تہذیب مغربی سے اس وحشي ملک کے لوگوں کے دل و دماغ کو نوراني بنادیا...... فقط افیون و شراب سے علمي ، اخلاقي اور تجارتي ترقي هي نہیں بلکہ آئندہ کے لئے بلائے قحط کا شائستہ عنوان سے انسداد هوگیا اور ساتھہ اس کے عمدہ اصول '' بیک کرشمہ دوکار'' سے خزانہ شاهي بھی مالا مال هوگیا اور گورنمنٹ فغفوریہ کے دوالا نکلنے کا خوف جاتا رها........ بعض صاحبوں کي یہ دلیل کہ هوم ملٹري خرچ کو کم کردیا جائے تو ٹکس اور قحط کی ضرورت جاتی رهے کیونکہ بے انتہا روپیہ خمارستان کے چیني مدکیوں کا اُڑ جاتا هے ، محض بے کار هے - کوئي اس کو غور نہیں کرتا کہ اگر دلاوران چین اس ملک کی حفاظت نہ کرتے تو کیا ملک ؟ اجنبی دشمنوں اور اندروني بغاوت کے صدموں سے محفوظ رہ سکتا ؟ ابھي تک خمارستاني فوج اس قدر لائق اور تربیت یافتہ نہیں هوئي کہ ان پر تکیۂ کامل کیا جاسکے اور یہ باهر کے دشمن کي فوج سے لڑائي کر سکیں - گو متعدد چنڈو خانے ؟ جو همارے چیني انجینیروں کے بنائے هوئے حصار هیں مختلف مقامات ملک میں بنائے گئے هیں ، وهاں چیني رجمنٹیں رهتي هیں مگر ابھی تک اس کثرت سے یہ خیالي قلعے نہیں بنائے گئے کہ چیني فوج کا پیکن سے منگوانا موقوف هوسکے

اور ہوم ملٹری خرچ گھٹایا جائے........"

ضمناً کچھہ روئداد جنجال کونسل بھی سنئے :-

آنربل بابو بگلا چرنداس :- سوال - کیا گورنمنٹ کو اس کی واقفیت نہیں ھے کہ بسبب کثرت محنت دماغی اور ماہریل اور مرطوب مقامات میں رہ کر کام کرنے کے ، ایک کثیر تعداد منصفوں اور سب ججوں کی ، مرض آب نزول میں مبتلا ہوکر بے وقت کی موت کی دعوت ھی صرف نہیں کرتی ھے بلکہ اپنے فرائض کے انجام دھی سے روز بروز قاصر ہوتی چلی جاتی ھے - اگر گورنمنٹ کی توجہ اس طرف ملتفت ہوئی ھے تو کیا تدابیر ، ان وفا شعار اور قیمتی عہدہ داروں کے اس آفت سے بچانے کی کر رھی ھے یا کرنا چاھتی ھے - یہ بھی جاننے کی ضرورت ھے کہ گزشتہ پانچ برس میں اس مرض کی ستیز سے کتنے عہدہ داروں نے دارالبقا کا سفر کیا ھے اور کتنوں نے مجبوراً پنشن لے لی ھے -

آنریبل مسٹر فوکس :- جواب :- جس مرض کے حسرت ناک طور پر ممبران جوڈیشل سروس میں پھیلنے کی طرف آنریبل ممبر نے توجہ دلائی ھے اس کی خبر گورنمنٹ کو ھے مگر ان کو یہ جاننا چاھئے کہ جن اضلاع میں یہ عہدہ دار مامور ہیں وھاں سیکڑے میں پچھتر آدمی کو اس قسم کا مرض ھے اور اس کی کثرت ، آب و ہوا کے خاص اثر پر موقوف ھے جس میں گورنمنٹ کو کچھہ دخل نہیں - علاوہ بریں تجربہ سے دیکھا گیا

ہے کہ اس قسم کے امراض سے کسی قسم کا خلل ، ان عہدہ داروں کے کام کے انجام دہی میں واقع نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایک استقلال اور تسکین کے ساتھہ اپنی جگہ قائم رہ کر اپنے فرائض منصبی کو مضبوطی کے ساتھہ انجام دینے کے عادی ہوتے چلے جاتے ہیں اور کسی طرح یہ مرض ان کے ظاہری اقتدار اور اعتبار میں خلل انداز نہیں ہوتا ہے اور نہ ان کے وزن کو پبلک کی آنکھہ میں گھٹاتا ہے ....گورنمنٹ اس کو خلاف تہذیب سمجھتی ہے کہ ایسے امراض کے متعلق کوئی نقشہ پر کروا کر ممبروں کی واقفیت کے لئے پیش کرے اور شاید تمام آنریبل ممبروں کو ، ایسی زیادہ دلچسپی ، ایسے نقشوں سے نہیں ہے.........،،

گرما گرم تار کی خبر :- تاریخ ۱۷ مارچ ، وانڈا؟

،، دو چار دن سے یہاں کے سفارتی حلقوں میں بڑی ہلچل مچی ہے اور یہ بات اب یقین کے قریب ہے کہ وہ ژولیدہ ، نیمجاں ، بد آواز اور وحشی کاکاتوا ، جو باسفورس کے کنارے ایک بڑے ایوان عالیشان میں سرخ تاج پہنے ، ایک خوفناک تمدنی اڈے پر نیم غنودگی کے عالم میں ، اپنی بے پروائی اور سرکشی کی غیر مہذب اداؤں سے سلاطین یورپ کے نازک خیالات عظمت اور بے غرضانہ صلح جوئی کی عادت کو برسوں سے سخت صدمہ پہونچا رہا ہے ، آسانی سے مشکل اور

پیچیدہ مسئلہ مشرقی کے سلجھانے کے لئے اپنے
بیش قیمت اور خوبصورت پروں کو نوچنے نہ
دیگا ''

مولوی سید محمد عبدالغفور ' شہباز ' کی نظموں (طنزیات) میں جو بات سب سے پہلے ناظرین کی توجہ جذب کرتی ہے وہ ان کی انتہائی بے ساختگی ہے - ان کے کلام میں شاعرانہ بلاغت ؟ لطافت شعری یا ردیف و قافیہ کی برجستگی یا موزونی ' تلاش کرنا بے سود ہے - انہوں نے اپنی روانی فکر اور جودت تخیئل کو اصطلاحی پابندیوں پر خواہ مخواہ نہیں قربان کیا ہے - بعض بعض مواقع پر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مذہب اور ملت کی طرف سے استغنا ہی نہیں روا رکھا ہے بلکہ ایک حد تک بے پروائی کو دخل دیا گیا ہے - اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ مذہب و ملت کو اسی قابل سمجھتے تھے' روا نہیں ہے - اصل یہ ہے کہ بسا اوقات خیالات کی برجستگی اور شگفتگی خود بخود ان حدود میں داخل ہوجاتی ہے جو کسی دوسرے صنف کلام کے شاعر یا نثار کے لئے ارض ممنوعہ کی حیثیت رکھتی ہیں - اس قسم کا ''تجاوز'' شعرا کے لئے جائز رکھا گیا ہے - کیونکہ ناظرین' اس حقیقت کو پہلے ہی سے محسوس کرتے ہوتے ہیں کہ یہ محض شاعرانہ تفنن ہے جس کو اعتقادیات سے کوئی نسبت نہیں ہے -

شہباز نے ایک موقعہ پر ''حضرت رمضان کا فوٹو'' اس طور پر کھینچا ہے -

دو ہفتہ سے گھر میں مرے وارد رمضاں ہیں
جھلےّ یہ کچھ ایسے ہیں کہ سب ان سے بجاں ہیں

ہے شام مہینوں ھي میں جاکر کہیں آتی
سنتے کہیں برسوں ھي میں مغرب کی اذاں ھیں
مسجد میں ھیں ترتیل و قراءت کے وہ جھگڑے
آمین کي جا مقتدي کہتے الاماں ھیں
ہوتی ھی نہیں ختم کسي طرح سے رکعت
مغرب پہ تراویح کے یاروں کے گماں ھیں
مغرب ھي چلي جاتي ہے مغرب سے عشا تک
سن لیتے کبھي اسمیں ھي مرغوں کی اذاں ھیں
مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ھیں جو شکر کے سب ورد زباں ھیں

———

شہباز کے " سلجھے ہوئے خیالات " میں ایک جگہ داڑھی یوں اُلجھي ہوئي ہے :—

بنائیں جھالر اسے عرش و کرسئي رحمن
رکھیں فلک، اسے سر پر سمجھ کے کاھکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوتتے ھی چومیں حور اور غلماں
نعیم خلد کی ھنڈي ہے درشني داڑھي

مسلمانوں میں " آثار اقبال " ملاحظہ ہو ؟

اهل اسلام ھیں اب راہ پہ آئے جاتے
ھیں کچھ آثار سے اقبال کے پائے جاتے
ھنس تو دیتے ھیں نہ روئیں اثر غیرت سے
کر کبھي قوم کے خاکے ھیں اُڑائے جاتے

دستخط چندوں کي فہرست پہ کر دیتے ہیں
دے بھي دیتے ہیں بہت گر ہیں ستائے جاتے
شوق سے بیف ، مٹن ہمرہ مسٹر بیکن
کھاتے سچ مچ ہیں جو جھوٹوں ہیں کھلائے جاتے
"فانکدوا" سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
کورٹ شپ کے ہیں اگر دام میں لائے جاتے
بار اٹھاتے ہیں وہ اکثر ولدالکلبوں کا
گو یتیموں پہ ہیں کچھ رحم دلائے جاتے

پنڈت رتن ناتھہ سرشار اور سجاد حسین کے بارے میں مولوی عبدالباري آسي صاحب نے اپني تصنیف تذکرۂ خندۂ گل میں بعض نہایت گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن کا جستہ جستہ اقتباس درج ذیل ہے :—

"..........سرشار نے جو کُچھہ سیکھا وہ اودھ پنچ سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے ، ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے ، ظرافت نگاري ان کا جزو تحریر ہوگئي تھی مگر سجاد حسین مرحوم کي ظرافت سے اس کو ذرّہ اور آفتاب کی بھي نسبت نہیں ہے - رتن ناتھہ سرشار جب ظرافت پر آتے ہیں تو کچھہ رسوم و رواج کے نقشے کھینچ کر ، کچھہ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھہ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اس میں محاورات کو داخل کرتے ہیں ، کچھہ اصطلاحات خاص لاتے ہیں ، کچھہ ضرب‌الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں ، کچھہ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں ، کچھہ کلام کو طول دیتے ہیں ، کچھہ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار

موقع بے موقع لکھتے ہیں تب کہیں جاکر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے - اس میں بھي ایک نقّاد کي پہلي نظر نِکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظرآتا ہے اور دوسری نگاہ خوردہ بیں ' طوالت کلام کي وجہ سے ہر داستان کو لمدھور بن سعد ان کي داستان خیال کرنے لگتي ہے - رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزیب اور مزین معلوم ہوتے ہیں مگر وہ لعبت چیں سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان - عام نظروں کو دھوکا دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں - اُس کے مقابلہ میں سجاد حسین مرحوم کي عبارت کو دیکھئے تو وہ عربي ' فارسي کے بلیغ اور وزني الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئي ہوتی ہے کہ‌دیکھنے والے کو کوئي حصہ‌اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالي نظر نہیں آتا - غور کرنے پر اُس کے لطف میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے - ایک ایک سادہ فقرہ بھي ان تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنھیں سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں - ایجاد ' ایجاز و اختصار ' فصاحت ' بلاغت ' ہر جگہہ دوش بدوش نظر آتي ہیں - ایک ایک پھبتي ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے - ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہہ میں ہوں اُسي کے لئے وضع ہوا ہوں ' ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے - راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسي عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالي یاد آتا ہے ' صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقي کچھہ نہیں.........."

آسي صاحب نے سجاد حسین اور سرشار کا جو موازنہ یہاں پیش کیا ہے وہ خود " آورد " سے خالي نہیں ہے اور صرف

« آورد » ھی نہیں بلکہ اُس میں ایک سنگین تضاد بھی موجود ھے ۔ سرشار کی ظرافت پر جو تنقید پیش کی گئی ھے (قطع نظر اُس سے کہ اِس کا اطلاق سرشار پر ھوتا ھے یا نہیں) وہ تقریباً حرف بحرف خود نعمت خان عالی پر صادق آتی ھے ۔ اگر سجاد حسین کو سرشار پر ترجیح ھے اور آسی صاحب کو اِس پر اصرار ھے توسجاد حسین کو نعمت خان عالی سے دور کی نسبت بھی نہیں دینا چاھئے ۔ نعمت خان عالی کے مضامین ان صفات سے قطعاً مُعرّا ھیں جو (بقول آسی صاحب) سجاد حسین کی امتیازی خصوصیات ھیں ۔ میرے نزدیک تو یہ زیادہ بہتر ھے کہ سجاد حسین کے بجائے سرشار کو نعمت خان عالی سے تشبیہ دیجائے اور یہ بھی محض اُن خیالات کی بنا پر جن کا اظہار آسی صاحب نے سرشار کے بارہ میں کیا ھے ۔ نعمت خاں عالی کا ھنسنا اور ھنسانا دونوں مصنوعی ھوتا ھے ۔ سجاد حسین کی تصانیف کے تقریباً سارے کردار اس محرومی سے محفوظ ھیں ۔ نعمت خان کی ظرافت یا طنز « الفاظ » سے اور سجاد حسین کی « واقعات » سے وابستہ ھوتی ھے ۔ اور راقم السطور کے نزدیک نعمت خان عالی اور سجاد حسین کی تصانیف پر یہ خیال آخری فیصلہ نہیں تو آخری فیصلہ پر جلد سے جلد اور براہ راست پہونچنے کا بہترین و آخر ترین وسیلہ ضرور ھے !

سرشار کی سب سے بہتر اور اُن کے کمالات کی بہترین نمائندہ تصنیف « فسانہ آزاد » ھے ۔ اور اِس میں شک نہیں وہ سجاد حسین کے حاجی بغلول سے جامعیت میں کسی طرح کم نہیں ، خوجی کا کیریکٹر ، حاجی بغلول سے زیادہ متنوع ھے ۔ حاجی

بغلول ایک طور پر ڈکنس (Charles Dickens) کے پک وک ابراڈ (Pickwick Abroad) کا نامکمل اور ایک حیثیت سے ناقص چربہ ہے لیکن اس حقیقت سے کسي کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حاجي بغلول، اُردو طنزیات اور ظرافت میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اب تک اُس کا جواب اُردو میں کہیں نظر نہیں آیا ہے ۔

ہاں تو امر متنازعہ فیہ یہ تھا کہ سرشار کا فسانہ آزاد کہاں تک آورد اور تصنعات غیر ضروري سے پاک یا آلودہ ہے ۔ مولانا آسي صاحب نے اس بارے میں جو خیال ظاہر کیا ہے اُس کے بارہ میں آساني سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے صحیح مقدمات (صغریٰ وکبریٰ) سے غلط نتیجہ نکالا ہے ۔ آزاد نے زندگي اور معاشرت کے ہر پہلو پر علٰحدہ علٰحدہ اظہار خیال کیا ہے ۔ اِس کے لئے مختلف حالات و حوادث پر مخصوص انشا اور مخصوص مصطلحات، مخصوص الفاظ اور فقروں کا لانا ضروری تھا ۔ ہر مصنف یا اکثر کو ان ضروري مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، چنانچہ نعمت خان عالي کو بھی انہیں نشیب و فراز سے گزرنا پڑا، لیکن جہاں نعمت خان عالی اور سرشار ایک دوسرے سے علٰحدہ ہوجاتے ہیں، وہ ذوق اور مقاصد کا اختلاف تھا، سرشار کے سامنے منزل مقصود تھي، نعمت خان عالي کے سامنے صرف وسیلۂ سفر تھا، دونوں کے ذوق اور مقاصد جداگانہ تھے ۔ فن ادب اور انشا میں یہ چیزیں مصنف کی قسمت پر آخري فیصلہ ہوتی ہیں ۔

سرشار کي تحریر کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ہے :—

"........خواجہ صاحب گو بیماري کے سبب سے سخت

پریشان ہوتے تھے مگر چانڈو خانے میں بیٹھنے کا چسکا اور پھر یہ بھي
خیال تھا کہ اب جہاندیدہ ہوگئے ہیں چلکر ذرا چانڈو خانہ میں سیر و
سیاحت کا حال تو دیکھیں ڈولي منگوا کر سوار ہوئے اور چت
چانڈو خانے میں داخل - لوگوں نے ان پر نظر ڈالي تو متحیر کہ یہ
نئي پنچھي کون پھنسے ! (خوجي) :- سلام علیکم یاران - سلام
علیکم برادران (امامي) مالیکم بھائي مالیکم آؤ کہاں سے آنا ہوا
(خوجي) ذرا تکئے دو پھر کہوں - مگر میں بیٹھ نہیں
سکتا - دو برس لڑائي پر خستہ ہوگیا جب دیکھو مورچہ
بندی ، ہر دم ساز و سامان سے لیس ، مر مٹے مگر وہ نام کیا کہ
ساري دنیا میں مشہور ہوئے اور قسم جناب والد ماجد کی
روح کي ، شیطان بھي ایسا مشہور نہ ہوا ہوگا - جیسا بندہ
نے نام کیا یہ سب اس کي کریمي ہے (امامی) لڑائي کیسی - اب
اس زمانہ میں خانہ جنگیوں تک کا ذکر تو سننے میں نہیں
آتا ، لڑائي کیسي (خوجي) تم بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے بیٹھے
کیا جانو (قادر) چانڈو کی نگالي چھوڑ کر—کیا روم روس کی
لڑائي سے آتے ہو کیا - اور تو کوئي لڑائی نہیں سني ہاں ایران
والے اور توران والے سے بھی مورچہ بندي ہوگئي تھي - (خوجی) تم
کیا جانو روم روس کي لڑائي کا حال (قادر) روم والے نے روس کے
بادشاہ سے کہا کہ جس طرح تمہارا چچا ہم کو خراج دیتا تھا
اسي طرح تم بھي دیا کرو مگر اس نے نہ مانا اسي بات پر تکرار
ہوئي تو روم کے شہنشاہ نے کہا اچھا اپنے چچا کے مقبرہ میں چلو
اور پوچھو دیکھو کیا آواز آتي ہے - بس صاحب سننے کي بات ہے کہ
(وہاں چانڈو کے چھینٹے اُڑنے لگے) - بس جناب روس والے نے کہا ہم نہ
دینگے تو اس بات پر تکرار ہوئي - روم کے شہنشاہ کے پاس

حضرت سلیمان کی انگشتری تھی اور وہ انھوں نے کسی فرشتے یا موکل کی مدد سے ھوا پر بھیجی تو صدھا جن حاضر ھوئے بادشاہ نے حکم دیا کہ روس میں ھر چار طرف آگ لگا دو تو روس کی چار دیواری جلنے لگی - روس والے نے سب وزیروں کو جمع کرکے کہا کہ آگ بجھاؤ تو سوا کروڑ سقے مشکیں بھر بھر کے پانی لئے کھڑے تھے اور مشکیں اتنی اتنی بڑی کہ دو لاکھ من پانی جن میں آئے - (خوجی) کیوں صاحب یہ آپ سے کس نے کہا ھے (امامی) اجی یہ نہ پوچھو - ان سے سب فرشتے کہہ جاتے ھیں (قادر) بس صاحب سننے کی بات ھے کہ سوا دو کروڑ مشکیں جنمیں فی مشک دو لاکھہ من پانی تھا ملک کے چاروں کونوں پر پڑتی تھیں مگر آگ بھڑکتی جاتی تھی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دو کروڑ لاکھ سقے کام کریں اور مشکوں میں چھتیس چھتیس کروڑ من پانی ھو - (خوجی) اوئیدی کیوں اس قدر جھوٹ بولتا ھے (شبراتی) میاں سننے دو بھائی عجیب آدمی ھو (قادر) اجی آپ لکھنؤ کے مہین آدمی ان ملکوں کا کیا حال جانیں - روم روس مازندران توران انوپ شہر کا حال ھمسے سنئے (امامی) وھاں کے لوگ بھی دیو ھوتے ھیں دیو (قادر) روس کے بادشاہ کی غذا کا حال سنو تو چکرا جاؤ - سویرے منھہ اندھیرے چھہ بکروں کی یخنی - چار بکروں کے کباب ' دس مرغ کا پلاؤ اور دو موریلے ترکیب کے ساتھہ کھاتے ھیں اور نو بجے کے وقت سو مرغ کا شوربہ اور دس سیر ٹھنڈا پانی ' بارہ بجے جواھرات کا شربت کبھی پچاس من کبھی ساتھہ من، چار بجے دو کچے بکرے دو کچے ھرن، دو کچے کبوتر جنگلی، شام کو شراب کا ایک پیپہ اور پھر رات گئے گوشت کا ایک چھکڑا - (امامی) جب تو طاقتیں ھوتی ھیں کہ سو سو آدمیوں

کو ایک آدمی مار ڈالتا ہے؟ ہندوستان کا آدمی کیا کھاکر لڑے گا (شہراتی) ہندوستان میں اگر ہاضمے کی طاقت کچھہ ہے بھی تو چانکو کے سبب سے وِالّا نہ سب کے سب مرجاتے (قادر) اسمیں کیا کلام ہے بھائی صاحب دریں چہ شک (امامی) سنا ہے ہاتھی سے تنہا مقابلہ کرتے ہیں روس والے (قادر) ہمسے سنو - دس ہاتھی ہوں اور ایک روسی دسوں کو مار ڈالیگا - ہاتھی کی مستک پر گھونسا مارا اور وہ چنگھاڑ کے بیٹھہ گیا؟ بیٹھا اور مرگیا (خوجی) روس جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہے آپ کو (قادر) اجی ہم گھر بیٹھے ساری دنیا کی سیر کر رہے ہیں (خوجی) یارو ہم کس سے کہیں ابھی جنگ کے میدان سے آتے ہیں ہمنے تو وہاں ہاتھی دیکھے ہی نہیں -- (قادر) روم والوں نے جب آگ لگادی تو گیارہ برس گیارہ مہینے گیارہ دن گیارہ گھنٹے جلا کی - اب جاکے پرسوں ذری آگ بجھی ہے (خوجی) اُف فوہ سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے - ارے یارو اس جھوٹ پر خدا کی مار (قادر) آپ کی تو صورت ہی کہے دیتی ہے کہ آپ روم ضرور گئے ہیں (خوجی) بھلا روم کی دارالسلطنت کا نام کیا ہے (قادر) مرزبان " دس کوس اِدھر دس کوس اُدھر پہاڑ ہے (خوجی) مرزبان نام تو کوئی شہر ہی نہیں - تم کیا جانو مرزبان وہ شہر ہے جہاں ' خیر ' اور پریاں پہاڑوں پر رہتی ہیں اور دس کوس کے فاصلے پر آدم زاد اور پہاڑوں پر وہاں بادل روئی کے گالوں کی طرح چشموں میں پانی پی پی کے آسمان پر جاتے ہیں اور آسمان کے رہنے والوں کو پانی پلاتے ہیں (خوجی) یا خدا ان لوگوں کو سیدھے ڈھرے لگا (قادر) اچھا بتاؤ روم کے بادشاہ کا نام کیا ہے (خوجی) ہمسے پوچھتے ہو خدا کی شان (قادر) ہاں ہاں آپسے پوچھتے ہیں - بتائیے

(خوجي) سلطان عبدالحميد خاں بہادر غازي (قادر) ھنسکر واہ واہ بس بس آپ خاک نہیں جانتے (امامی) پھر یہ کیا کہتے ہیں کہ ہم روم سے آتے ہیں (قادر) بھلا لڑائي کا انجام کیا ہوا بتائیے (خوجي) پلونا کی جنگ میں سپہ سالار ترک قیدھو گیا ، قلعہ ھمارے ھاتھہ سے نکل گیا اور روسیوں نے فتح پائی (قادر) کیا کہتا ھے بدبخت خبردار جو اب ایسا کہا ھوگا تو اتنے پونڈیں ماروں گا کہ بھرکس ھي نکل جائے گا - (نواب) جي میں آتا ھے کہ اس وقت ان کی مرمت کردوں (اسامي) ھمارے بادشاہ کے حق میں بري بات نکالنا کیا معنی - بد خواہ ، بے ادب آدمي - بچہ یہاں ایسي باتیں کروگے تو پٹ جاؤگے اور سنئے اچھے ملے (خوجی) سنو صاحب ھم شاھي کے کسیدان ھیں اور (قادر) اب زیادہ بولو گے تو اُٹھکر کچومر ھی نکال دوں گا ؟ ھمسے بڑھکر روم کا حال تو جانتا ھے (خوجي) جناب آپ تو پڑھے لکھے آدمي ھیں (قادر) قسم خدا کي اگر ذرا بولے تو بنیگی نہیں - (امامي) اب تم بے پٹے نہ جاؤگے کیا (شبراتی) یہ ھیں کہاں کے ؟ قبر سے نکل بھاگا ھے کیا - صورت تو دیکھو مردے کي سی !

"(آزاد) پیر و مرشد صف شکن علي شاہ وھاں ملے تھے (نواب) بہ آواز بلند - واہ ؟ لو صاحب سنو ارے مرا صف شکن علي شاہ ! (مصاحبین) بآواز بلند - جزاک اللہ جزاک اللہ ، واہ رے صف شکن علي شاہ (خوجي) خداوند اس ڈانٹ ڈپٹ کا بٹیر بھي کم دیکھا (نواب) دیکھا ھي نہیں کم کیسا (مصاحبین) حق ھے حق ھے واللہ بہت صحیح ھے (نواب) ارے میاں

غفور ذرا گھر میں اطلاع کردو کہ صف شکن علي شاہ بہ خیریت ہیں معرکۂدار وگیر میں انکو لوگ دیکھہ آئے ہیں - مہری نے اندر جاکر ھنستے ھنستے کہا " سرکار مبارک ہو بڑی خوشي کي خبر غفور کے زباني سننے میں آئي ھے حضور نے کہلا بھیجا ھے کہ ھمارے صف شکن علي شاہ (مسکرا کر) روم کي لڑائي میں ھیں ' معتبر لوگوں نے دیکھا ھے............ (نواب) بھلا کسي مورچے پر گئے تھے یا نہیں دور ھي سے دعا دیا کئے (خوجي) خداوند غلام جو عرض کرے گا کسي کو باور نہ آئے گا اور یہ آپکے پاجي مصاحب مجھے جھوٹا بنائیں گے اور میں جھلاؤں‌گا اور منت کي تھائیں تھائیں ہوگي - (نواب) کیا مجال - خدا کي قسم اب تم میرے رفیق خاص ہوئے تملے جو تجربہ حاصل کیا ھے - بھلا دوسرا تمھارا مقابلہ کر سکتا ھے - (خوجي) یہ حضور کے اقبال کا اثر ھے خداوند ورنہ من آنم کہ من دانم کا نقشہ ھے اذل خلائق ' ھیچمیرز ' ھیچمداں ' نالائق ' رد خلائق ' مردود ومطرود ' نا معقول ہوں .... حضور بات یہ ہوئي کہ غلام لب چشمہ سار ایک پیالي میں آھستہ آھستہ افیم گھول رھا تھا کہ بس درخت کي طرف سے نظر کرتا ہوں تو نور کا عالم - یا الھی یہ ماجرا کیا ھے ' یا خدا یہ کیا اسرار ھے غور کرکے دیکھتا ہوں تو روشني ' پہلے تو میں سمجھا کہ چنار کا درخت ھے مگر دم کے دم میں ھمارے حضور صف شکن پھر سے آن کر ھاتھہ پر بیٹھہ گئے - (نواب) شکر خدا ھزار شکر خدا ' بڑے خوش ہوئے ہوگے (خوجي) حضور جیسے کروروں روپیہ مل گیا ' دنیا بھر کی اقلیم کے مالک بن بیٹھے ' حضور کا حال بیان کیا ' یہاں کا ذکر چھیڑا ' سرکار کي بیقراري اور فراق میں نصیب اعدا گریہ و زاري

کا حال کہا ، بس حضور پھر تو یہ کیفیت تھی کہ کسی لڑائی میں غنیم جم ہی نہ سکے جنگ ہوئی اور روسیوں نے توپوں پر بتی لگائی اور ادھر مرے شیر نے کیل ٹھونک دی - (نواب) ایں ؟ آہا ہا ہا ؟ واللہ اے میرے صف شکن علی شاہ ! (مسیتا) خداوند جانور کیا جادو ہے ، سحر ہے پرکالۂ آتش ہے (خوجی) بھلا اسکو کوئی بٹیر کہہ سکتا ہے اور جانور آپ خود ہیں ؟ ایسا ثقیل اور سخت اور ناملائم لفظ انکی شان میں آپ استعمال کرتے ہیں - نا معقول ! (نواب) مسیتا بیگ اگر تم کو اچھی طرح رہنا ہے تو رہو ورنہ اپنے گھر کا راستہ لو - اس کے کیا معنی ؟ آج کو صف شکن کو جانور بنایا کل مجھے جانور کہو گے - مصاحب ہو کہ آقا ہو (مصاحب) خداوند بجا ارشاد ہوا یہ نرے پھوہڑ ہیں.......

(بیگم) صف شکن علی شاہ اب کہاں ہیں - (نواب) واللہ مجھے یہ حال معلوم ہی نہیں تھا کہ جنگ و جدال میں بھی برق ہیں میں تو سمجھتا تھا کہ صرف خانہ جنگیوں ہی میں استاد ہیں - مگر اس نے تو جاکے توپوں میں کیلیں ٹھوک ٹھوک دیں - اللہ اللہ ، خدا جانے یہ سب سیکھا کس سے ہے ؟ (بیگم) یہ خدا کی دین ہے سیکھنے سے کہیں ایسی باتیں آتی ہیں (نواب) واللہ سچ کہتی ہو بیگم صاحب ؟ سچ ہے پیاری اس وقت تم سے جی خوش ہوگیا - اے غضب خدا کا ، کجا توپ کجا کیل ؟ کجا صف شکن ، خیال تو کرو ؟ سبحان اللہ سبحان اللہ (بیگم) اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو صف شکن کو ہزار پردوں میں چھپا کے رکھتی - کبھی ہوا بھی نہ دیتی مگر اب تو جو ہوا سو ہوا - ہاں خوب یاد آیا سنو وہ تو ابھی جیتے جاگتے ہیں اور تم نے انکا مزار بنوا دیا - یہ کیا (نواب) واللہ خوب یاد دلایا ؟ پیش از مرگ

واویلا (بیگم) یہ تو صریح کوسنا ہوا کسی بیچارے کو (نواب) کوسنے کے علاوہ اسمیں اور فیہ بھي ہے فرض کرو سیر کرتے ہوئے اسیطرف آنکلے اور پڑھے لکھے تو ہیں ہي ، نظر پڑگئي ، کہ "مزار پر انوار میاں صف شکن علي شاہ" تو اس وقت کہیں گے کہ ماشااللہ یہ لوگ میري موت ہي کے خواہاں تھے - کیا جھپاک سے قبر بنوادی ہے اس سے بہتر یہي ہے کہ کھدواڈالوں ورنہ بری ہوگي -

---

حضرت اکبر حسین، اکبر الہ‌آبادی

لسان العصر اکبر مرحوم کے کمال شاعري پر صحیح ، جامع اور مختصر ترین فیصلہ ، اگر اب تک کہیں مل سکا ہے تو وہ ترجمان حقیقت علامہ اقبال کا یہ ارشاد ہے ، -

سرِ ذروۂ طور معني کلیمے
بہ بُت خانۂ دور حاضر خلیلے
گہے گریۂ او چو ابر بہارے
گہے خندۂ او چو تیغِ اصیلے

اکبر کا زمانہ اکبر کے لئے عین مقتضائے فطرت تھا - مسلمانوں کے زوال کا ماتم حالي نے کیا ہے اور مرثیت کا دور، حالي کے ساتھہ ہي ختم بھي ہوگیا - راقم‌السطور کے نزدیک حالی کي شاعري کا اخلاقي پہلو اس اعتبار سے نہایت اہم اور بلند ہے کہ اُن کا مرثیہ "تخریبي" ہونے کے بجائے یکسر "تعمیري" تھا - اُن کے قومي ماتم میں تخلیقي شان تھي - خاندانوں کي زندگي سے ملتي جلتی ہي زندگی اقوام کی بھي ہوتي ہے - مثال کے طور پر کسی خاندان کو لے لیجئے - فرض کیجئے کسي ظالم یا غاصب نے خاندان کو یکسر تباہ اور غارت کردیا ، پسماندگان ،

فرط غم و الم سے زمین آسمان ایک کردیتے ھیں اور کچھہ عرصہ تک کم و بیش یہي عالم رھتا ھے - مرور ایام سے حادثہ کي شدت کم ھو جاتي ھے بالایںھمہ اپنی حالت بہتر بنانے یا غاصب سے انتقام لینے کي کافي سکت نہیں ھوتي - اس وقت تھوڑا بہت ماتم ' بہت کچھہ طعن و تشنیع اور ھجو و ھزل سے دل کا بخار کم کیا جاتا ھے - یہ دور بھي ختم ھوتا ھے اور پسماندگان اپني حالت کو قدیم سطح پر لانے اور ظالم سے انتقام لینے پر اپنے آپ کو جري پانے لگتے ھیں یہ وقت رجز اور حرب و ضرب کا ھوتا ھے - ٹھیک اسي طور پر ھماری سوسائٹي ' ھماري شاعري اور ھمارے شعرا کي بھي ابتدا ' ارتقا اور انتہا ھوئي ھے - حالي نے سلطنت مغلیہ کے زوال پر اسلام اور اسلامیوں کا ماتم کیا - اکبر نے طنز اور ظرافت سے کام لیا اور اقبال نے نعرہ جنگ بلند کیا - انھیں وجوہ کي بنا پر راقم‌السطور کے نزدیک حالي' ماضي کے ' اکبر حال کے اور اقبال' مستقبل کے شاعر قرار دئے جاسکتے ھیں -

حالي نے خود ایک جگہ کہا ھے :-

ھیں یہ باتیں بھول جانے کي مگر کیونکر کوئي
بھول جائے صبح ھوتے ھي وہ سب شب کا سماں
بزم کو برھم ھوئے مدت نہیں گزري بہت
اُٹھہ رھا ھے گل سے شمع بزم کے ' اب تک دھواں

اقبال فرماتے ھیں :—

من صدائے شاعرِ فرداستم

یا

دیکھتا ھوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اب دیکھنا یہ ھے کہ کن حالات کے ماتحت اکبر نے اپنا پیام رسالت ھم تک پہونچایا ھے - اس زمانہ میں اغیار کی دراز دستی، اقربا کی سادہ لوحی، برادران یوسف کی بے اعتنائی و سرد مہری، مذھب و ملت کی کس مپرسی، حکومت کا استیلا، مغربیت کا سیلاب بلا، ایسی چیزیں تھیں جن کا نہ تو ماتم کیا جاسکتا تھا اور نہ مقابلہ، مجبوراً شاعر نے درمیانی راستہ اختیار کیا - وہ طعن و ھجو سے مرافعہ کرتا ھے، ھنسا ھنسا کر رولاتا ھے اور کھلا کھلا کر مارتا ھے - تلخ حقائق کو شربت کا گھونٹ بنا دیتا ھے، روتا ھے تو ایسی صورت بنا کر کہ لوگ ھنستے ھنستے رو پڑیں، ھنستا ھے تو اس انداز سے کہ لوگوں کے گریہ گلوگیر ھوجائے -

اکبر کے عہد کا بہترین خاکہ جو اب تک راقم السطور کی نظر سے گزرا ھے اور جو اپنی معقولیت اور جامعیت کا خود ھی نظیر ھے، مولانا عبدالماجد صاحب بی - اے - دریا بادی کا وہ حصۂ مضمون ھے جو رسالہ اُردو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ ع میں شائع ھوچکا ھے - ممدوح نے جس خوبی، بصیرت اور بلند آھنگی سے حالات اور واقعات کا مرقع کھینچا ھے، اس کا یہاں تذکرہ ناگزیر ھے - ان کو مد نظر رکھکر لسان العصر کے شاعرانہ کمال کا اندازہ لگانا آسان بھی ھوگا اور مفید بھی - وھوھذا

"اکبر کی شاعری کی نمود و ترقی کا زمانہ، انیسویں صدی عیسوی کا ربع آخر اور بیسویں صدی کا خمس اول ھے - یہی زمانہ ھندستان میں مغربی تمدن، مغربی اخلاق، مغربی معاشرت، غرض مغربیت کے انتہائے عروج و شیوع کا ھے - اکبر جب دنیا سے روشناس ھوتے ھیں تو اُن کے ملک و قوم کی یہ حالت ھے کہ غدر ۱۸۵۷ ع کو فرو ھوئے چند سال گزر چکے ھیں - ھندوستان بیرونی

مداخلت و تسلط کے شکنجہ میں پورے طور پر کسا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی قوم خصوصیت کے ساتھہ اپنی شامت اعمال کے نتائج بھگت رہي ہے۔ اسلامي اخلاق، اسلامي آداب، اسلامي شعائر، مدت ہوئي، رخصت ہوچکے ہیں۔ ثروت و خوشحالي کا اول تو وجود ہي عنقا ہورہا ہے اور پھر جو کچھہ ہے بھي، وہ عیاشیوں، نفس پرستیوں کے لئے وقف ہے۔ تعلیم وتربیت، اتفاق و اتحاد، نظم و انتظام، ضبط و خود داري، ہمت و بلند نظري، صداقت و حق پرستی، قناعت اور ایثار میں سے کوئی ایک شے موجود نہیں۔ عقائد میں تزلزل آچکا ہے، ایمان کی مضبوطی ایک افسانۂ پارینہ رہ گئی ہے۔ حرص و طمع، مکر و نفاق، خود غرضی و غداري، نفس پروری اور عیش پرستي کی گرم بازاری ہے۔ اُس کے مقابلہ میں برطانیہ کی عظمت کا نقش ہر دل پر بیٹھا ہوا ہے۔ داد خواہی کے لئے انگریزی عدالتیں ہیں، تعلیم کے لئے انگریزي مدرسے ہیں، سفر کے لئے انگریزی سواریاں ہیں، علاج کے لئے انگریزی شفا خانے ہیں، رسل و رسائل کے لئے انگریزی ڈاکخانے ہیں، مہاجني کے لئے انگریزي کوٹھیاں اور بنک ہیں، ماضي سے واقفیت کے لئے انگریزوں کی کتابیں ہیں، حال سے باخبر رہنے کے لئے انگریزوں کے اخبارات ہیں، مستقبل کي پیشینگوئی کے لئے انگریزي سائنس ہے، عزت و حکومت کے لئے انگریزی عہدے ہیں، حصول زر کے لئے انگریزي پیشے (بیرسٹري وکالت ڈاکٹری انجینری وغیرہ) ہیں۔ زینت و آرائش کے لئے انگریزي مصنوعات اور انگریزی بازار ہیں، نشاط وتفریح کے لئے انگریزی پارک اور انگریزي تماشہ، تھیٹر وغیرہ ہیں۔ غرض جس طرف بھی رخ پھرتا، حد نظر تک ایک غیر محدود نا متنا ہي پرچم، انگریزي اقبال کا لہراتا

ہوا نظر آتا.......... سوتے ہوئے شخص کے کمرہ میں دفعۃً تیز روشنی کر دیجائے تو وہ سمجھے گا کہ آفتاب نکل آیا - یہی حال اِس وقت قوم کا تھا - اضطرار قلب ، انتشار خاطر ، اختلال حواس و اجتماع حوادث کے وقت' دیو میں پری کا حسن و جمال معلوم ہوا ، عجوز ہفتاد سالہ پر نازنین شانزدہ سالہ کا دھوکا ہوا - دیر میں حرم کا تقدس دکھائی دینے لگا -

اب مغرب کا جادو ساری قوم پر چل گیا - علم و فضل کا معیار کمال یہ قرار پایا کہ انگریزی زبان آجائے ، تلفظ انگریزوں کا سا ہوجائے ، اور انگریزی علوم سے واقفیت ہوجائے - تہذیب و شائستگی کی معراج یہ ٹھہری کہ کھانا انگریزی کھایا جائے ، لباس انگریزی پہنا جائے اور انگریزی تقلید میں خاندان مشترکہ کے وجود کو ذلیل سمجھہ کر ضعیف والدین اور دوسرے اعزہ سے قطع تعلق کرلیا جائے - شرافت و عزت کا منتہائے خیال یہ قائم ہوا کہ ہر ممکن ذریعہ سے انگریزی عہدے حاصل کئے جائیں - انگریزی حکومت کی برکات کا وعظ کہا جائے اور اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں کو نقصان پہونچا کر انگریزی دربار میں رسوخ حاصل کیا جائے ، عقل و دانش کا یہ مفہوم قرار پایا کہ ہر انگریزی مصنف کے ہر قول پر بے چوں و چرا ایمان لے آیا جائے اور اپنے علوم و فنون ، اپنے شعائر و رسوم ، اپنے عقائد و خیالات کو یکسر اوہام کا لقب دے کر انگریزیت کے صنم دلربا کے قدموں پر نثار کر دیا جائے - اُردو زبان' اِس لئے حقیر نظر آنے لگی کہ یہ "سرکار" کی زبان نہیں - پردہ کی رسم اِس لئے غلامئی نسواں کی مرادف نظر آنے لگی کہ انگریزی خواتیں کا شعار بے حجابی کا ہے - تعدد ازدواج کا دستور اِس لئے شرمناک محسوس ہونے لگا کہ انگریزی قوم ایک سے زاید منکوح بیویاں رکھنے کے ضابطہ سے نا آشنا ہے - عرش کے انکار پر سب سے قوی دلیل یہ قائم ہوئی کہ انگریزی ہیئت اور جغرافیہ

کي کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ۔ شیاطین، جنات اور ملائکہ کے وجود کے ابطال کے لئے یہ دلیل قطعي نکلي کہ انگریزي سائنس، کسی آلہ کي مدد سے اُن کا مشاہدہ نہ کرسکی ۔ معجزات کا دعوی اِس لئے قابل مضحکہ ٹھرا کہ مل اور اسپنسر اُن کے قائل نہیں ۔ نبوت اور الوھیت کے عقائد میں اِس لئے رخنے پڑنے لگے کہ ھکسلے اور ھیوم متشکک رہے ھیں......
بہر حال یہ فضا تھي جس میں اکبر نے اپني آنکھیں کھولیں، یہ ماحول تھا جس میں اُنھیں اپنا پیام پھونچانا تھا..........فطرت کي جانب سے وہ ایک رسول ھوکر آئے تھے ۔ اُن کا پیام اُسي تحریک مغربیت کے خلاف ردّ عمل تھا ۔ اُن کی شاعری اول سے آخر تک اسي مادیت اور مغرب پرستي کا جواب ھے " ۔

اکبر نے زندگي کے ھر شعبہ پر اپنے مخصوص رنگ میں اظہار خیال کیا ھے ۔ اُن کے یہاں بعض بعض الفاظ کے مخصوص معني اور مفہوم ھیں جن کو وہ اس لطیف انداز سے اپنے کلام میں لاتے ھیں کہ اُن کا پورا مفہوم واضح ھوجاتا ھے حالانکہ اُن کي تشریح کی جائے تو ورق کے ورق سیاہ ھو جائیں اور پھر بھي کافي طور پر دلنشین نہ ھو سکیں مثلاً نیٹو، بابو، مولوي، کمسریٹ، اُونٹ، بسکٹ، بدھو، بفاتي، صاحب، شیخ صاحب، لاٹ صاحب، گزٹ، ڈارون، کالج، ڈنر، اسپیچ، کونسل، کیمپ، پریڈ، کمیشن وغیرہ ۔

اِسي سلسلے میں مناسب ھوگا اگر یہاں اکبر کے مسلک کا بھی ضمناً تذکرہ کر دیا جائے ۔ اکبر مشرقیت کے دلدادہ اور "مولویت" سے بیزار ھیں ۔ وہ باطن کو ظاھر پر فوقیت دیتے ھیں ۔ وہ مغرب کی مادیت کو مذھب اور اخلاق کا دشمن سمجھتے ھیں، وہ ھندوستان کي قومي تحریکوں کے حامی تھے، لیکن ھر بونگ سے قطعاً بیزار تھے، وہ شوھر پرست بیوی کو پبلک پسند لیڈي (Lady) پر ترجیح دیتے

ہیں ۔ غرض کہ وہ اِن تمام باتوں کے خلاف جنگ آزما تھے جن کا تعلق بد مذاقی، کورانہ تقلید، بے تمیزی، اور تنگ نظری سے تھا ۔

اب یہاں بعض عنوانات کے تحت میں لسان العصر کے کلام کا جستہ جستہ نمونہ پیش کیا جاتا ہے ۔

ظرافت اور زندہ دلی :-

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

——

دُھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک دیہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی

——

کمیٹی میں چندے دیا کیجئے
ترقی کے ہجّے کیا کیجئے

——

چھوٹیں جو گائے ماتا حسرت سے اونٹ بولے
افسوس شیخ جی نے ہم کو پتا نہ سمجھا

——

فرمائیے ہیں یہ خوب بھائی گھورن
دنیا روتی ہے اور مذہب چورن

——

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے اے جناب
چندے سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ

——

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلے پر
صبح کے وقت ہنس پڑی اک میم
جب وہ بولے بجائے ککڑوں کوں
"مرغ شاخ درخت لاہو تیم"

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

بسے برگیڈ میں جاکر رفاقت اس کو کہتے ہیں
ہوئے مدفوں تکئے میں اصالت اس کو کہتے ہیں

اولڈ مرزا ہر طرف بدنام ہیں
ینگ بدّھو وارث اسلام ہیں

جس نے دل کو لے لیا ہے دل لگی کے واسطے
کیا تعجب ہے کہ تفریحاً ہماری جان لے

کہاں اور کس طرف قائم کروگے یادگار ان کی
دم آخر یہ ذکر ان سے کرو، یٰسین کیا ہوگی

وہ فقط وضع کے کشتہ ہیں نہیں قید کچھ اور
بھینس کو گون پنھا دیجئے عاشق ہوجائیں

بتائیں آپ کو مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ھیں حکام کے ساتھہ
رنج لیڈر کو بہت ھے مگر آرام کے ساتھہ

اسلام کی رونق کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جمّن

حکم برتش کا ملک ھندو کا
اب خدا ھي ھے بھائي صلّو کا

مذھبی بحث میں نے کي ھي نہیں
فالتو عقل مجھہ میں تھي ھي نہیں

ممبر علی مراد ھیں یا سکھہ ندان ھے
لیکن معائنۂ کو وھي نابدان ھے

تھے معزز شخص لیکن ان کي لائف کیا لکھوں
گفتني درجِ گزٹ، باقي جو ھے نا گفتني

شیخ جي کے دونو بیٹے باھنر پیدا ھوئے
ایک ھیں خفیہ پولس میں ایک پھانسي پاگئے

مولوي صاحب نہ چھوڑیں گے، خدا گو بخش دے
گھیر ھي لینگے پولیس والے سزا ھو یا نہ ھو

Studied carefully
Mohammad Shafi
Roll No 201

سیاسیات :—

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

———

کونسل میں سوال کرنے لگے
قومی طاقت نے جب جواب دیا

———

بوزنہ کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

———

سر افرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے ان کی
اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

———

اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظ طریقت
دنیائے دوں سے رکھوں میں کس قدر تعلق
اُس نے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھکو
انگریز کو ہے نیٹو سے جس قدر تعلق

———

سینے ادھر ایسے کہ سہیں جور رِقل بھی
کان ان کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی

———

جب آنکھ کو کھلنے میں ہو جھجک جب منہ میں زباں جنبش سے ڈرے
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے

کیا ناز هو ایسي ساعت پر افسوس هے ایسي حالت پر
یا جھوٹ کهے یا کچهه نه کهے یا کفر کرے یا کچهه نه کرے

——

بے عزت هو کے جو چلئے تو محلہ میں حقیر
باعزت هو کے جو رهئے تو فرشتوں میں خفیف

——

جو پوچھا مجھه سے دور چرخ نے کیا تو مسلماں هے
میں گھبرایا که اس دریافت میں کیا رمز پنهاں هے
کروں اقرار تو شاید یه بے مهري کرے مجھه سے
اگر انکار کرتا هوں تو خوف قهر یزداں هے
بالاخر کهدیا میں نے که گو مسلم تو هے بنده
و لیکن مولوي هرگز نهیں هے خانساماں هے

——

مدخولۂ گورنمنٹ اکبر اگر نه هوتا
اس کو بھي آپ پاتے گاندھي کي گوپیوں میں

——

مذاق عشق :--

هم آه بھي کرتے هیں تو هو جاتے هیں بدنام
وه قتل بھی کرتے هیں تو چرچا نهیں هوتا

——

واه کیا راه دکھائي هے همیں مرشد نے
کعبه کو کردیا گم اور کلیسا نه ملا

——

بتوں سے میل ، خدا پر نظر ؛ یہ خوب کہی
شب گناہ ، نماز سحر ، یہ خوب کہی

——

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی
حسرت بہت ترقی دختر کی تھی اُنہیں
پردہ جو اُٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

——

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے
صرف تعویذ اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ من
کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبط پولس
ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

——

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب‌گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
گو دعویٰ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگی و ضعف کی کچھ حد نہیں اکبر
کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

——

دین دنیا :—

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اُن کو نہیں آتا اُنہیں غصہ نہیں آتا

کیا گذری جو اک پردے کے عدو ۲۰۰۰ کے پولس سے کہتے تھے
عزت بھی گئی دولت بھی گئی بیوی بھی گئی اور زر بھی گیا

خامشی سے نہ تعلق ہے نہ تمکین کا ذوق
اب حسینوں میں بھی پاتا ہوں میں اسپیچ کا شوق

تعلیم کی خرابی سے ہوگئی بالآخر
شوہر پرست بیوی پبلک پسند لیڈی

ترقی کی نئی راہیں ہم پر چڑھا کیں
گھٹا کی دولت اسپیچیں بڑھا کیں
رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبن
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا
کچھ جوڑ تو اُن میں کے ہوے بال میں رقصاں
باقی جو تھے گھر اُن کا تھا افلاس کا مارا
بیرا وہ بنا کمپ میں، یہ بن گئیں آیا
بی بی نہ رہیں جب تو میاں پن بھی سدھارا

دونوں جو کبھي ملتے ھیں گاتے ھیں یہ مصرعہ
آغاز سے بدتر ھے یہ انجام ھمارا

اُٹھہ گئے وہ جنھیں مقدور تھا خود داري کا
نہ وہ تقوی نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کي اُمید
ولولے لے کے نکلنے لگے کالج کے جواں
شرم مشرق کے عدو ، شیوۂ مغرب کے شہید !!

دو اسے شوھر و اطفال کي خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

شیخ صاحب ھي کا ھے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ھو وقعت کی امید

باپ ماں سے ، شیخ سے ، اللہ سے کیا ان کو کام
ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دي سرکار نے

تہذیب نو جسے تم کہتے ھو اس سے اکبر
دنیا بگڑ رھي ھے اب یا سنور رھي ھے
نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو
کیا ھو رھا ھے آخر کیسي گزر رھي ھے
دل میں خوشي بہت ھے یا رنج اور تردد
کیا چیز جی رھی ھے کیا چیز مر رھي ھے

اک علم تو ہے بت بننے کا ، اک علم ہے حق کے پڑھنے کا
اُس علم کي سب ديتے ہيں سند، اس علم ميں ماہر کون کرے
جب علم ہي عاشق دنيا ہو، پھر کون بتائے راہ خدا
جب خضر اقامت پر ہوں فدا ، تائيد مسافر کون کرے
سودا بھي رنگ طبع بشر، فطرت ہي ميں ہيں اسباب جنوں
اکبر کو بھي ہوش آجائے تو پھر، اس کام کو آخر کون کرے

——

تعليم جو ديجاتی ہے ہميں وہ کيا ہے فقط بازاري ہے
جو عقل سکھائي جاتي ہے وہ کيا ہے فقط سرکاري ہے

——

ترقی کي نئی راہيں جو زير آسماں نکليں
مياں مسجد سے نکلے اور حرم سے بيوياں نکليں
مصيبت ميں بھی اب ياد خدا آتي نہيں ہمکو
دعا منہ سے نہ نکلي پاکٹوں سے عرضياں نکليں

——

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے
ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے
لے ہي گئے گھسيٹ کے مجھکو پريڈ پر
تيار ہو رہا تھا ميں جنت کے واسطے

——

چرخ نے پيش کميشن کھديا اظہار ميں
قوم کالج ميں اور اُس کي زندگي اخبار ميں
شوہر افسردہ پڑے ہيں اور مريد آوارہ ہيں
بيبياں اسکول ميں ہيں، شيخ جي دربار ميں

——

مذہب ہے امر قولی سمجھو نہ فعل ذاتی
معذور سب ہیں اس میں گنگو ہوں یا وفاتی

——

شیخ جی کی نظر میں مَیں ہوں فقط
میری نظروں میں ساری دنیا ہے
بس یہی وجہ ہے کہ اے اکبر
مجھکو حیرت ہے اُن کو غصہ ہے

——

یہی فضائل یہی طبیعت ، رہی تو قسمت یہی رہیگی
زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا، ہماری حالت یہی رہیگی
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے، تو ذکر عصیانِ غیر کا کیا
عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہیگی

——

عبث ہے نظم بلیغ فطرت جو رخ نہیں حسن مدعا کا
حدیث عقبیٰ اگر غلط ہے تو کیا نتیجہ ہے ارتقا کا

——

رہتا بہت ہے شوق دلیل اور قیاس کا
مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

——

ایک دن اور قیامت بھی کھسک آئیگی
اور کیا عرض کروں آپ سے، کل کیا ہوگا

——

روش ذہن بشر کی مدعی مطلق نہیں سمجھا
ترقی سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

——

صدیوں فلسفي کي چناں اور چنیں رهي
لیکن خدا کي بات جہاں تهي وهیں رهی

——

جہاں هستي هوئي محدود لاکھوں پیچ پڑتے هیں
عقیدے ، عقل ، عنصر سب کے سب آپسمیں لڑتے هیں

——

جو حرا کے جانئے والے تھے صوفي هوگئے
داستان بدر والے شیعہ سنی هوگئے

——

اکبر اپنے رنگ میں منفرد رهے ، اُن کے رنگ میں بعض لوگوں نے لکھنے کی کوشش کي ، لیکن اتنے بھي کامیاب نہ هوئے ، جتنا مولانا ابوالکلام اور حسن نظامي صاحبان کے بعض متبع - حقیقت یہ هے کہ آزاد (محمد حسین) ابو الکلام اور حسن نظامي کا طرز انشاء اُن کي ذات هے ، صفت نہیں ، یہي معاملہ اکبر کے ساتھہ هے - جس طرح دنیا میں ایک طرح کي دو ذات یا انفرادیت نہیں هوتي اسي طور پر اُردو ادب میں ان بزرگوں کا جواب نہیں پیدا هوا ، ممکن هے ایسا هونا ناممکن بھي هو - یوں کہنے کو آزاد کے متبع آغا طاهر ، ابوالکلام کے عبدالرزاق ملیح آبادي اور حسن نظامی کے ظہور احمد وحشي کھینچ تان کر قرار دئے جاتے هیں ، لیکن "مولوی مدن" کی ڈاڑھي کا جواب کب نظر آیا - یہاں اس کہنے سے یہ مقصود نہیں هے کہ اُن کا طرز انشا خامیوں سے پاک هے ، لیکن مشکل یہ هے کہ ان خامیوں کا بھي کہیں صحیح چربہ میسر نہیں آتا - مثلاً آزاد کبھي کبھی معني اور مفہوم کی ذمہ داری یا الجھیڑوں سے بچنے کے لئے الفاظ یا فقروں کی بازیگري شروع کر دیتے هیں - مولانا ابوالکلام انهیں الفاظ اور

فقروں کو الوهیت اور نبوت کا جامه پنها دیتے هیں اور سامع یا قاري کا ذهن اور دماغ پرسش کے بجائے پرستش کی طرف مائل هو جاتا هے - حسن نظامي اپنے الفاظ سے کبھي بچے معلوم هونے لگتے هیں اور کبھي مجذوب یا پھر ایسي رعایت لفظی پر اُتر آتے هیں جو اکثر نعمت خان عالی کو بھي سر بگریباں کرنے پر مجبور کر دیتي هے- با ایں‌همه یه لوگ موجودہ اُردو ادب میں ایسي قوت رکھتے هیں جو کم لوگوں کے حصه میں آئي هے -

خواجه حسن نظامي صاحب ایک جگهه فرماتے هیں —

"نثر میں سب سے بهتر ظرافت لکھنے والے مولوی محفوظ علي صاحب بی - اے - ساکن بدایون هیں - اُن سے زیادہ نیچرل اور بے ساخته چلبلي اور از سر تا پا مرصع ظرافت کوئي نهیں لکھتا یا میرے علم میں نهیں هے .... ان کے بعد پنچ اور مسٹر شوکت علي کا نمبر هے - مسٹر ظفر علي خاں کو بھي مذاقیه مضامین کا خاص ملکه هے، مگر میں اُن کو ایک دوسرے فن کے اعتبار سے اول درجه دوں گا یعني وہ کسي کی هجو کرنے میں ایسا کمال رکھتے هیں جس کي مثال اُردو نویسوں میں سوائے مرزا حیرت کے اور کهیں نهیں هے - اگرچه میں مرزا حیرت کو فوقیت دیتا هوں کیونکه وہ آسان اور نهایت میٹھی زبان میں هجو کرتے هیں اور ظفر علي خاں ادق اور مشکل عبارت میں" -

پنچ کے دور کے بعد جس نے سب سے پهلے "پنچانه رنگ" کو ترک کرکے "اسپکٹیٹر" (The Spectator) سے قریب هونے کی کامیاب اور مستحسن کوشش کي هے اس میں سید محفوظ علي صاحب بدایوني، سلطان حیدر جوش، پنچ یا اولڈ بوائے کے کھلنڈرے تھے همدرد (دهلي) کے ابتدائي دور میں "تجاهل عامیانه" کے ماتحت جیسے دلکش اور زعفران زار مضامین نکلے هیں وہ تقریباً سب کے

سب سید محفوظ علي صاحب کے قلم کے رهین منت تھے - اس سلسلۂ مضامین میں بمبوق مرحوم اور محمد فاروق صاحب ایم - ایس - سي - (علیگ) المعروف بہ "حاجی صاحب" کا نام بھی لیا جا سکتا ھے -

بعض دیگر انشا پردازوں کے مضامین کے خلاف سید محفوظ علیصاحب کا هر لفظ کانٹے کا تلا معلوم هوتا ھے اور وہ جو کچھہ کہنا چاھتے هیں ، ایسا معلوم هوتا ھے کہ اس کی حقیر ترین جزئیات پر بھي ان کو عبور ھے - ان کا طرز بیان ، اور انتخاب الفاظ اپنے اندر بہت سي گہرائیاں لئے هوتا ھے - لیکن یہاں راقم السطور کو یہ کہنے میں بھي تامل نہیں ھے کہ سید صاحب رعایت لفظي کی گمراهیوں میں اکثر اسیر نظر آتے هیں ، یہي رعایت لفظی اکثر ان کو تمثیلیہ (Allegory) کے پھندوں میں اُلجھا دیتي ھے - رعایت لفظی کا آرٹ بے حد نازک ھے - اس کے یہ معنے نہیں کہ سید صاحب اس آرٹ کے لطف اور نزاکتوں سے بے بہرہ یا بے خبر هیں - اُن کي قابلیت علمي اور ذوق صحیح اس قسم کي بد گمانیوں سے کہیں ارفع ھے - ممکن ھے وہ اس کو اتنا اهم نہ سمجھتے هوں !

هاں تو کہنا یہ تھا کہ رعایت لفظي کا آرٹ حد درجہ نازک ھے - اگر پڑھنے والے کو یہ محسوس هوگیا کہ مضمون نویس نے صرف رعایت لفظی ملحوظ رکھی ھے یا یہ معلوم هوگیا کہ محض ایک لفظ یا فقرہ کو نباهنے کے لئے پہلے یا بعد میں بے شمار الفاظ یا فقرے لکھنے پڑے تو میرا خیال ھے اس سے ایک طرف پڑھنے والے کا ذوق سلیم مجروح هوتا ھے اور دوسري طرف لکھنے والے کي توهین هوتي ھے - رعایت لفظي کا کمال اس کي انتہائي بے ساختگی ھے، یہ کبھي نہ معلوم هو کہ الفاظ کا استعمال صرف

الفاظ کے لئے کیا گیا ھے ۔ اس میں شک نہیں ابھی ھماری سوسائٹی کے افراد جو تعلیم یافتہ ' روشن خیال اور صاحب ذوق بھی کہے جاتے ھیں ' ضلع جگت یا رعایت لفظی پر سر دھننے کے لئے آمادہ رھتے ھیں اور یہ لکھنے والے کا اچھا خاصہ انعام ھے ۔ لیکن میرا خیال ھے اور خود سید صاحب سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر ھوگا کہ ایک اچھے لکھنے والے کا مخاطب صحیح شاعر ھوتا ھے ' مشاعرہ نہیں !

سید صاحب نے مضامین میں کبھی اپنا اصلی نام نہیں ظاھر کیا اور ایسا کیا بھی تو محض شاذ و نادر ' وہ ھمیشہ "انداز قد" سے پہچانے گئے اور یہی سبب ھے کہ ان کے مضامین کی فراھمی میں غیر معمولی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ راقم السطور مولانا ظفرالملک علوی صاحب قبلہ کا سپاسگزار ھے کہ ان کی وساطت سے مضامین کے کچھہ اجزا ھاتھہ آگئے جن کا جستہ جستہ اقتباس ھدیۂ ناظرین ھے :-

صاحب دین :-

"...........محققین عام (چاھے وہ قدیم نظامات ارسطا طالیہ و فیثا غورثیہ سے تعلق رکھتے ھوں ' یا اسکولات ھکسلیہ و ڈارونیہ سے) اس امر پر متفق ھیں کہ صاحب دین نوعی اعتبار سے حیوان ناطق کی ایک مضمحل سی شاخ ھے........صاحب دین نے ھوش سنبھالتے ھی ایک نظر میں تاڑ لیا کہ قدیم تہذیب و تمدن کا بوسیدہ ڈھانچ کلیۃً پھونکدینے کے قابل ھے ۔ چنانچہ وہ اس کا قایل نہیں کہ اولاد پر والدین کے کچھہ حقوق ھوتے ھیں ۔ اس کی نظر میں یہ محض اتفاق ھے کہ باپ باپ واقع ھوا ھے ورنہ ھوسکتا تھا کہ وہ باپ ھو ۔

وہ زیادہ سے زیادہ "پیارے باپ" کا مستحق ہے اور اگر زیادہ ترقی کی گنجائش ہو تو "وہ بڈھا بیوقوف" کافی ہے - بھائی ایک رقیب ہے جسکے مقابلہ میں اپنے حقوق کا تحفظ لازمی و لا بدی ہے - اصلی عزت و عظمت کی مستحق زوجہ ہے نہ کہ ماں........ جسطرح ہمارے یونانی اطبا نے آلو - انڈے - دھی اور دنیا بھر کے کھانے پینے کی چیزوں کا مزاج نکال لیا ہے اور درجہ قائم کرکے یہہ قرار دیدیا ہے کہ کون چیز کس درجہ میں گرم ہے اور کسدرجہ مین سرد - کسدرجہ تر ہے اور کسدرجہ خشک ، معلوم نہیں اسیطرح صاحب دین کو بھی اشیاء ماکول میں سمجھکر کسی طبیب نے اسکا مزاج بھی نکالا ہے یا نہیں - اگر نہیں تو اس فرو گزاشت پر افسوس کرتے ہوے فقیر اپنا اجتہاد پیش کرتا ہے کہ میرے تجربہ میں صاحب دین ایک مختلف المزاج و الکیفیت چیز ہے - تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک صاحب دین کا مزاج کسی دوسرے صاحب دین کے مزاج ساتھہ تو ہمیشہ گرم تر رہتا ہے مگر غیر صاحب دین کے ساتھہ سرد خشک اور غمہ اور ریل کے سفر کی حالت میں گرم خشک ہوجاتا ہے اسیطرح کسی دوسرے صاحب دین کے لئے چاہے وہ فہرست چندہ لے کر آئے یا دعوت چائے ، ایک صاحب دین ہمیشہ سریع الفہم ہے مگر غیر صاحب دین کیلئے چاہے وہ خفیف سی خفیف درخواست ہی لے کر آئے وہ نہایت بطی الفہم ہے........"

انگلستان پلٹ[1] صاحب دین کو لندن سے ناگفتہ بہ محبت ہے - اپنے

---

۱ - " انگلینڈ ریٹرنڈ " (England returned) کیلئے انگلستان پلٹ سے بہتر لفظ مجھے نہیں ملسکا اسلئے میں انجمن ترقی اُردو سے عموماً اور مولانا وحیدالدین صاحب سلیم سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ اس لفظ کو وہ اپنے آغوش استعمال میں لے لیں - اس لفظ میں حالت مفعولی کے علاوہ حالت فاعلی کا بھی پہلو نکلتا ہے - چنانچہ سال پلٹ کے ساتھہ ھی کایا پلٹ بھی ملحوظ رہے " -

قیام لندن کے واقعات کو بیان کرتے وقت اسکی زبان سے غیر معمولی طلاقت، اسکی آنکھوں سے غیر معمولی چمک، اور اسکے چہرہ سے غیر معمولی مسرت آمیز حسرت یا حسرت آمیز مسرت برسنے لگتی ھے اور آخر کار وہ بے تاب ہوکر کہہ اٹھتا ھے "پیارے پیارے اولڈ لنڈن، کسقدر میں چاھتا ھوں کہ تیری آغوش میں جان دوں" عشاق کا اپنے محبوب کے قدموں (یا ذرا گستاخی سے کام لے کر) اس کے آغوش میں جان دینا تو دیوانوں کا پامال مضمون ھے۔مگر صاحب دین کی اس تمنا میں ایک خاص نکتہ یہ ھے کہ وہ اگرچہ معاد کا قایل نہیں ھے اور اسے یقین ھے کہ ثواب و عذاب، حشر و نشر اور حیات بعدالموت مذھب کی سخن سرائی ھے لیکن آخر وہ مشرقی ھے، بچپن کی بات کان میں پڑی دل سے مشکل سے نکلتی ھے اسلئے ڈرتا ھے کہ مبادا مشرق میں یہ باتیں سچی ھوں اور یہاں سے جانے والوں کیلئے وھاں روک ٹوک اور قرنطینہ ھوتا ھو - مگر لنڈن والوں نے راہ اور مقامات کے موانعات صاف کر لئے ھونگے وھاں کی معرفت جانے والوں سے فرشتے تعرض نکریں گے - یوں تو ھر صاحب دین کا ایک ھی مذھب ھے یعنی یہ کہ مذھب قابل اعتنا نہیں لیکن عموماً دو گروہ ھیں - ایک وہ جنھوں نے بچپن میں پائجامہ پہنا ھے اور ایک وہ جنھوں نے دھوتی باندھی ھے - اب دونوں گروھوں میں سے جو صاحبدین کونسل یا میونسپلٹی کا ممبر ھوجائے تو پاجامہ اور دھوتی میں آویزش رکھنا وہ سب سے بڑی مذھبی خدمت سمجھتا ھے - چنانچہ کونسل یا میونسپلٹی میں اس قسم کے سوالات صرف اُمی کی ذات سے مذھب کی اعانت کا باعث ھوتے ھیں :-

۱ - کیا گورنمنٹ مہربانی کر کے بتائیگی کہ فلاں محکمہ کے چپراسیوں کی تعداد اسکے ھم مذھب افراد کی مردم شماری کے تناسب سے کیوں کم ھے ؟

۲ - میونسپل بورڈ نے اس سال جو نابدان بنائے ہیں انمیں سے اسکے ہم مذہب افراد کے ایک محلہ کی نالي ہے چند نیم پختہ اینٹیں لگانے سے اسکي ہم مذہب سکناء، محلہ کي بڑي حق تلفی ہوئي ہے - بورڈ کو چاهئے کہ وہ اینٹیں نکلوا کر سرخ پختہ اینٹیں لگوا دے -

شیخ سماءاللہ کي صاحبزادیاں :-

"یہ جو پان کھائے آنکھوں میں سرمہ، دانتوں میں مسّي اور هاتھوں میں مہندی لگائے، ڈهیلا ڈهالا کرتہ پائجامہ پہلے، هلکا دهانی دوپٹہ اوڑھے قطب کو پیٹھہ کئے تکیہ لگائے بیٹھي ہیں آسیہ بیگم ہیں جو عمر و تجربہ کے اعتبار سے، چال ڈهال کے اعتبار سے، شکل صورت کے اعتبار سے، قدوقامت کے اعتبار سے سب میں بڑی ہیں اور اسی لئے سب بہنیں انہیں بڑي آپا کہتي ہیں - قیافہ بتا رہا ہے کہ بچپن اور جواني کے دوپن عیش و آرام اور مسرت و اطمینان سے گزرے ہیں، تیسرا پن یعني بڑهاپا آیا تو آلام و افکار کو ساتھہ لایا، جنھوں نے کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کردیا - مگر ضبط کہتا ہے " خبردار جو ایک حرف بھي زبان سے نکلا " چنانچہ آفریں ہے اس کوہ وقار کو کہ چھاتي کے کواڑ بند کئے دل میں حسرتیں اور منھہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھي ہیں - مجال کیا جو دل کا ترجمان زبان کو بنائے - آسیہ بیگم کے داهنے هاتھہ پر جو سیہ فام خاتون آدهی ساري باندهے آدهي اوڑھے، سر کے جھلسے اور اینٹھے ہوئے بالوں میں کوڑیوں اور جھوٹے موتیوں کي لڑیاں لٹکائے، گلے میں کهربا کے دانوں کي مالائیں، هاتھوں میں عاج کي چوڑیاں اور پاؤں میں چپلیں پہلے بیٹھي ہیں اور جو سب میں زیادہ مفلوک الحال اور شکستہ بال معلوم ہوتي ہیں آفري خانم ہیں جنھیں آسیہ بیگم تو افري افري کہتي ہیں مگر باقي اور بہنیں سانولي آپا کہکر پکارتي ہیں آفري خانم کے داهنے هاتھہ کو جو دهاري دار سایہ پہلے توپ اوڑھے عینک لگائے ناک بھوں چڑهائے سب سے زیادہ متین یا مغرور مگر یقیناً سب سے

زیادہ متمول الگ بیٹھی بلکہ لیٹی ہیں یہ امری خانم ہیں جنھیں آسیہ بیگم تو امری اور باقی بہنیں نئی باجی کہکر پکارتی ہیں۔ آسیہ بیگم اور افری خانم کے سامنے اور امری خانم کی طرف منھہ کئے جو نیم مشرقی نیم مغربی وضع بنائے ننگے پاؤں ساری باندھے چھوٹا کوٹ پہنے کالر لگائے ٹوپ اوڑھے بیٹھی ہیں ''بر عکس نہند نام زنگی کافور'' حسینہ بیگم ہیں لیکن پانچویں جو یقیناً سب سے چھوٹی ہیں آسیہ بیگم کے داھنے ھاتھہ سے کچھ فاصلہ پر مغرب کی جانب افری خانم کے پیٹھہ پیچھے کھڑی ہوئی ہیں۔......روپا بیگم ہیں''

اسکی فرہنگ بقول سید صاحب ''برخوردار طولعمرہ'' نے یوں پیش کردی، ایشیا سب سے بڑا براعظم ہے، افریقہ ایشیا سے مغرب کی طرف ہے اسے تاریک براعظم کہتے ہیں ، امریکہ سنہ ۱۴۹۲ ع میں دریافت ہوا اس لئے نئی دنیا کہلاتا ہے اوشنیا ایشیاء کے جنوب و مشرق میں واقع ہے۔ یورپ سب سے چھوٹا بر اعظم ہے !''

اروپا :۔ بڑی آپا سلام۔

آسیہ :۔ جیتی رہو ٹھنڈی سہاگن، دعا دینے کو تھی کہ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ مگر درخواست سے پہلے ہی منظوری کا اثر دیکھہ رہی ہوں۔ خود نہانا تو کوئی بات نہیں تم دودھہ سے دوسروں تک کو نہلوا رہی ہو* ماشاء اللہ وہ کثرت ہے کہ گاڑیوں میں بند ہو ہوکر ایرا غیرا کے گھر پہونچ رہا ہے - پوتوں کی یہ کیفیت (بھئی برا مت مانیو میں ہونستی نہیں اور تمھاری سگی بہن ہوکر بھانجوں کو ہونسوں تو مجھہ خالہ پر تف ہے) اپنے گھر کا

---

* ملاحظہ ہو ، ملک سوپ ، یعنی دودھہ کا صابن !

تو ذکر کیا دوسروں کے گھروں میں ایسے پھل رہے ہیں
جیسے کڑوی تومڑی -

روپا :- یہ سب آپ بزرگوں کی دعا کا اثر ہے -

آسیہ :- کہو بہن برطو، فرسو، سلفو، املو کہاں تک نام لوں
سب بچے بچی اچھے ہیں -

روپا :- جی ہاں سب اچھے ہیں -

آسیہ :- برطو بیچارہ تو بڑا گئو ہے - فرسو بانکا چھیلا ہے
سلفو متافیل ہے......سنا ہے گھنا ہے، املو کو میں نے
عرصہ سے نہیں دیکھا ہے پچھلے دفعہ جب تم لیکر آئی
تھیں تب تو بڑا شریر اور چلبلا تھا....ہونہار اور
چونچال ایسا تھا کہ دونے کو پچھاڑے -

روپا :- جی ہاں، ابتو بڑا ہوگیا ہے، جھگڑالو بہت ہے، بھائیوں کو
چین نہیں لینے دیتا، اپنے برطو، فرسو، سلفو کو تو
ایسا ہلا لیا ہے کہ ہر وقت آپ ہی کے پاس بیٹھے
رہتے ہیں - میں بہتیرا بلواتی پکڑواتی ہوں مگر آپ
کا گھر ایسا بھایا ہے کہ ہٹنے اور ٹلنے کا نام ہی
نہیں لیتے

آسیہ :- اے ہے ٹلنا کیسا، آنکھوں سکھہ کلیجے ٹھنڈک، ماں
اور خالہ میں فرق ہی کیا ہوتا ہے - سنا نہیں
"ماں مرے ماسی جئے" ہاں اتنی بات ضرور ہے
کہ تمھارے یہاں کا سا عیش مجھہ غریب کے گھر کہاں -

روپا :- آپا! برا نہ مانو تو کہوں -

آسیہ :- شوق سے کہو بڈھوں کے اچھا برا ماننے کی پروا، جوان
نہیں کیا کرتے -

روپا :۔ آپ کے گھر میں اسقدر غربت نہیں جسقدر بدتمیزي ' پھوھڑپن اور گھنون پن ھے ۔ کسیکو کھانے کا سلیقہ نہیں ' پہننے کي تمیز نہیں ' انتظام کي عقل نہیں '

آسیہ :۔ (آہ سرد بھر کر) ھاں بہن سچ کہا ' خدا کي شان ' کبھي ھم ھي آس پڑوس میں تمیز والے سمجھے جاتے تھے ' سیدا پرونا ھم جانتے تھے ' کھانا ' کھانا پکانا ھم جانتے تھے ' آج پھوھڑ ھم ' بد تمیز ھم ' گندے ھم ' گھنونے ھم ' مگر اسکي وجہ جانتي ھو ' آیا پیسہ آئی مت ' گیا پیسہ گئي مت ۔ گانٹھہ میں دام تو سب کریں سلام "

موجودہ دور میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادي ' مولانا ابوالکلام آزاد ' مولانا ظفر علي خاں اور قاضي عبدالغفار ' طنزیات میں ید طولی رکھتے ھیں ھر ایک کا نشانہ طنز ' انگریز ' انگریزی حکومت اور انگریزیت ھے ۔ علحدہ علحدہ ان کے کلام اور مضامین پر اظہار خیال کرنا طوالت کا باعث ھوگا ۔ راقم السطور کا خیال ھے کہ ان کے تمامتر مضامین یا مسالک کا خلاصہ یہ ھے ۔

مولانا عبدالماجد کي طنز میں تلخي اور زھرناکي کا عنصر غالب ھے اور ان سب پر بقول سید سلیمان ندوي صاحب " مولویت " طاری ھے ۔ ان کي طنزیات پوپ کي طنزیات کا نمونہ ھیں ۔ یہ اُردو کے لینگلینڈ بھي قرار دئے جاسکتے ھیں جن کو جماعت کے موجودہ اور مقررہ نظام میں عافیت اور جمعیت کا کوئي شائبۂ نظر نہیں آتا ۔ برخلاف اس کے ظفر علي خاں ھیں جن کے ھاں شدت ھے ' لیکن زھرناکی کا گزر نہیں ۔ ظفر علي خاں کي طنز میں عملاً قوت اور بیداري پائي جاتي ھے ۔ ان کي تحریروں سے پتہ چلتا ھے کہ وہ اپني طنز کو منوا بھي سکتے ھیں ۔ ان کے یہاں

بد دعائیں یا عذاب الیم کي "بشارتیں" نہیں ملیں گی - وہ "تپش" کے قائل ہیں "تپشیا" کے نہیں' یہي کیفیت ابوالکلام کي ہے - لیکن ظفر علي خاں اور ابوالکلام جہاں ایک دوسرے سے علحدہ ہوجاتے ہیں وہ بھي نمایاں ہے - ابوالکلام کي مثال اس پہلوان کي ہے جو وسط میدان جنگ میں "مبارز طلب" ہو اور دوسروں کا نہیں بلکہ اپنے رجز سے خود اپنا دل بڑھا رہا ہو - ظفر علي خاں صرف "آرڈننس شکني" پر آمادہ نظر آتے ہیں - ان کي رجز میں تھوڑا سا حسن طلب بھي ہوتا ہے اور یہ طلب ممکن ہے کبھي اپنے ہي اعوان و انصار سے ہو پھر غیر موجود یا غیبي طاقتوں سے - وہ دوسروں کو آمادہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں' اپني آمادگي سے بحث نہیں - تیسري طرف قاضي عبدالغفار ہیں - ان کی طنز ایک حد تک "ڈرائنگ روم" کی طنز ہے - نہایت نازک ' نہایت ستھري ' نہایت حسین ' تیز چمکتي ہوئی ' جیسے کسي ماہر فن کے ہاتھ میں عمل جراحی کے لئے ایک نشتر ہو! ان کي طنز ایک طور پر کتابي طنز ہے' پڑھئے اور انشا پرداز کو داد دے لیجئے-نہ ڈرنے کي ضرورت ہے اور نہ کسي آمادگی کي حاجت!

ان تمام خیالات کو اور مختصر کیا جا سکتا ہے مثلاً مولانا ماجد' اصلاح سے مایوس ' ابوالکلام اصلاح سے بے نیاز' ظفر علي خاں آمادۂ اصلاح ' قاضی عبدالغفار ان سب کے حد اوسط ! !

مولانا عبدالماجد صاحب بي ' اے ' دریابادي

ماخوذ از "سفر حجاز"

"بمبئي ہندوستان کا شاید سب سے بڑا "یاجوجي" شہر ہے' لندن اور پیرس' نیویارک اور شکاگو کی زیارت سے جو لوگ مشرف نہیں ہوے ہیں وہ اُنکا ایک ہلکا سا نمونہ بمبئي میں دیکھ سکتے ہیں -

ویسی ھي ھر طرف آسمان سے باتیں کرنیوالي اونچي اونچی عمارتیں، وھی روپیہ کي گرم بازاري، وھي دوکانداري میں انہماک، وھی عیش کي فراواني، وھی چستي او نفس پرستی، وھي برق و دخان کي پرستاری، وھي ملوں انجنوں اور کارخانوں کا زور، وھي ریل ٹریم اور موٹر کاروں کا شور، وھي صبح سے لیکر رات تک اور شام سے لیکر صبح تک چیختے اور چلاتے ھوے شور مچاتے اور دھواں اُڑاتے، ڈھکیلتے اور کچلتے ھوے یاجوج کي بے چینی اور بے قراري، بھاگ دوڑ، شور وغل، چیخ پکار، شورش و اضطراب، دن کو چین نہ رات کو سکون، اور اسی کا نام اس دور یاجوجي میں "ترقی" و "تہذیب" ھے - حیرت صرف اسپر ھے کہ اس غلبہ یاجوجیت کے باوجود اب تک یہاں کي مسجدیں کیونکر اسقدر آباد و پر رونق ھیں اور اتنے نمازي اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے ھیں "

"... . آج یہ مہیب اور لق و دق سمندر، اور کرۂ ارض کے سارے معلوم سمندر، یا جوج کے قبضہ میں ھیں وہ جسے چاھے اسمیں جہاز اور کشتي چلانے کي اجازت دے اور جب جسکو چاھے اللہ کی کاریگري کے اس نادر نمونہ سے فائدہ اُٹھانے سے روک دے! خلق خدا کي ھو تو ھو لیکن سمندر اور سمندروں کے بندرگاہ، جہاز اور اُنکے پھریرے، محکمہ بحري اور خداوندان بحر، تارپیڈو اور ڈرڈنات، کروزر اور ڈسٹرائر، آج ھانکے پکارے کہہ رھے ھیں کہ امر، اور، حکم، (نعوذباللہ) یاجُوج کا ھے - پھر اگر ایسي حالت میں آپ کسي سچے کا قول سنتے ھیں کہ "یاجوج و ماجوج سمندر کا پاني پي جائیلگے " تو آپ اس پیشینگوئي کے پوري ھونے کے لئے کسی زمانہ مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے ھیں "-

"...... ایک روز یہ سارا بحراعظم یا سارا لق و دق سمندر موجیں مارتے ھوئے پانی کے بجائے آگ کے لپکتے ھوئے شعلوں اور

دھوئیں کے تیرہ و تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہے گا - یہ دن وہ ہوگا جب یاجوج اپنے مایہ ناز جنگی جہازوں اور آب‌دوز کشتیوں ، اپنے تیل کے چشموں اور اپنے پٹرول کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلوں سے ، لنکا کے راون کی طرح خود ہی جل رہا ہوگا - اور جب اسکی حرص و ہوس اسکی ملک گیری اور زرپرستی، قیصریت (امپریل ازم) اور کیپٹل ازم (سرمایہ داری) کے انگارے سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھا رہے ہونگے ! یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد ربانی و اذلجار سجرت کی تفسیر و تاویل کے لئے نہ تفسیر کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی نہ اہل لغت کے کلام سے سند لانے کی بلکہ عالم و عامی سب اپنے آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاہدہ کرلینگے - آج یاجوج کو مہلت ہے آج وہ جتنا بھی چاہے ہمارے دلوں اور دماغوں کو ہماری عقلوں اور ذہنوں کو، ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبال و حشم سے اپنی تہذیب اور تعلیم سے ، اپنے علوم اور اپنے فنون سے ، اپنے ڈاکٹروں اور اپنے انجینیروں سے ، اپنی سائنس اور اپنے آرٹ سے اپنی توپوں اور اپنی رائفلوں سے ، اپنی مشین گن اور اپنی سنگینوں سے ، اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے مرعوب اور مخبوط اور مفلوج کرلے لیکن یہ مہلت سدا رہنے والی نہیں اور کسے خبر کہ پردہ اُٹھنے کا وقت قریب ہی آن لگا ہو ؟؟

"......دعا کے الفاظ بہتوں نے دہرائے ہونگے - خدا معلوم کسی کے دل سے ان قوموں کی بھی تباہی و بربادی کی دعائیں نکلیں جو آج چودھویں صدی ہجری میں کعبہ اور رب‌کعبہ کی

عداوت میں اُس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کہیں بڑھی ہوئی ہیں ، جنکی جلدیں سفید ہیں مگر جن کے دل عداوت حرم میں حبشہ اس قوم کے چہروں سے کہیں زیادہ ہو چکے ہیں اور جن کو ابرھہ کے ہاتھیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنے توپ خانوں ہوائي جہازوں اور مسلح موٹرکاروں پر دعوی اور غرہ ہے ؟ ،،

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں خطیبانہ جوش و ہیجان ہے اس باب خاص میں اُن کا مسلک جوونل سے ملتا جلتا ہے - اُنھوں نے طنزیات میں خطابت کا نہایت شاندار ، پرزور اور حیات‌آفرین نمونہ پیش کیا ہے - اُن کی تحریر فن انشا و ادب میں ڈرامہ کي حیثیت رکھتی ہے ، ہر لفظ ، فقرہ یا خیال ایکٹر معلوم ہوتا ہے جس میں قوت بھي ہے اور حرکت بھي ، نمونہ حسب ذیل ہے -

،، بے شک مدتوں کے بعد بند ٹوٹے جس کو کفر کہا تھا اُس کے ثواب و طاعت ہونے کا فتوی دینا پڑا - لیکن کیونکر اپنی قوت سے ، اپنے دماغ سے ، اپني ہستي اور اپنی روح سے ، یہ نہیں بلکہ ، ع -

این ہم بسعی غمزۂ مردم شکار دوست !

پہلے جن کے حکم سے گمنامی کے غاروں میں چھپے تھے اب اُنھیں کے حکم سے باہر نکلے تاکہ مندر میں جاکر اُن کے آگے سر بسجود ہوں - بے شک شملہ ڈیپوٹیشن کے تماشہ کے بعد اُس کا آخري پارٹ کھیلا گیا اور اُس کا نام لیگ رکھا گیا - لیکن اگر تم ایک برف‌خانہ بناکر اُس کا نام آتشکدہ رکھدوگے تو کیا برف کی سل آگ کا انگارہ ہو جائے کي.........پالٹیکس ایک

آگ ہے جو خود بھڑکتی ہے اور پھر بھڑکائی جاتی ہے، وہ برف کا گلاس نہیں ہے جو کسی سرد مہر ساقی کی بخشش پر موقوف ہو.......... ہندو مسلمان کا سوال بھی ایک بازیگر کا کھیل ہے اور بدبختی سے ناچنے والے ناچ رہے ہیں، فوج میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور غنیم مطمئن ہے - یہ خیال کہ تم نے ابھی تعلیم میں نہیں ترقی کی ہے اس لئے تمہاری پالٹیکس یہی ہے کہ پہلے ہندوؤں سے اپنے غصب کردہ حقوق چھین لو، غور کرو حریف شاطر کی کس قیامت کی چال تھی -

وہ رہزن اور پھر ایسے کمین سے ''!

''سب سے پہلے یہ ہوا کہ ملک میں کام کرنیوالی اصلی جماعت یعنی ہندوؤں سے مسلمان علحدہ ہوگئے اور اس طرح عرصہ تک کے لئے ملکی مطالبات کی فتحیابی سے گورنمنٹ مطمئن ہوگئی ساتھ ہی اسکے یہ بھی ضرورت تھی کہ ان کو بےکار نہیں رہنا چاہیے ورنہ بےکاری سے اُکتاکر راستہ کی تلاش میں ضرور نکلیں گے - کوئی مشغلہ ایسا ہونا چاہیے - جو عرصہ تک انکو اپنے میں الجھائے رکھے اور اصلی کاموں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ دے - تعلیم کو مسلمان پہلے سے تجے بیٹھے تھے (اور یہ خیال فی‌نفسہ غلط نہ تھا) اسلئے اسی اعلیٰ تعلیم کے بال و پر کو پھیلا کر ایک ایسا الف لیلہ کا عجیب‌الخلقت پرند بنا دیا جو اپنے پروں کو کھولدے تو سورج کو زمین کی طرف جھانکنے کے لئے کوئی سوراخ نہ ملے - مسلمانوں نے اس عجیب و غریب مرکب کو براق سمجھا اور یقین کرلیا کہ ہمارے سفر معراج کیلئے آسمانی سواری اتری ہے - چالیس برس گذر گئے اب تک اس مرکب کی لگام ویسی ہی ڈھیلی ہے جیسے پہلے دن تھی اور منزل لامکانی

کا پتہ نہیں - قوم کی وہ قوتیں جو یقیناً زمانہ کے قدرتی اثرات سے متاثر ہوکر ملکی تحریکوں میں صرف ہوتیں تمامتر صرف ایک اعلیٰ تعلیم کے شور و واویلا کے پیچھے متادیگئیں اور جبکہ ہم سے ایک دیوار کے فاصلے پر ملک کی جائز آزادی ، ملکی حقوق کے مطالبات ، اعلیٰ قوانین کی ترمیم و تنسیخ ملکی نظم و نسق کے مباحث اور افکار کی سرگرمیوں میں ہمسایوں کے جذبات و امیال صرف ہو رہے تھے ، ہم اپنی کانفرنسوں ، اپنے بڑے بڑے مجمعوں ، اپنی شاندار تقریروں ، اپنے قومی اخباروں کے صفحوں کے اندر صرف ایک افسانہ تعلیم کی سرد لاش اٹھائے پھرتے تھے '' -

---

'' لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں ، آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور اموت و ہلاکت پھیلا نے کی ایسی اشد شدید ابلیسیت تو کسیکو بھی نصیب نہیں ہوئی - زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بہت بلائے اور اژدھوں نے پھنکاریں ماریں ، مگر نہ تو ایسی درندگی ابھی تک کسی میں تھی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدھا پیدا ہوا جیسے کہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس ڈسنے ، نگلنے ، اور چیرنے پھاڑنے کیلئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں - پھر اس اژدھے کو دیکھو جو جنوب سے منھہ کھولے بڑھ رہا ہے ، اس ہاتھی کو دیکھو جو مشرقی یورپ کے بہت سے چنگھاڑتا ہوا اٹھا ہے ، اور اس خوفناک چیتے کو دیکھو جو لامارک اور روسو کی سر زمین میں خون اور گوشت کیلئے پلا ہے یہ کیسے عجیب ہیں ! یہ کیسے خوفناک آلات سے مسلح ہیں ؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیرنا پھاڑنا کرہ ارضی

کا کیسا ہولناک بھونچال ہوگا ' ایسا بھونچال جو کبھي نہیں آیا ' ایسا طوفان جو کبھي نہیں اٹھا - ایسی آتش فشاني جو کبھی نہ ہوئی - اور خداوند کا ایسا غصہ جو اب تک کبھي زمیں پر نہ ہوا......پس ضرور تھا کہ غرور و طغیان کي کوئی حد ہوگي ' عجب نہیں کہ مہلت ختم ہوگئي ہو اور کچھہ اچنبھا نہیں اگر ارض الہی کے امن کے لئے ' بندگان خدا کي راحت کے لئے اور کمزوروں کو سکھہ کي نیند سلانے کے لئے انکا خون انھیں کے ہاتھوں بہایا جائے جنھوں نے دوسروں کا خون اپنے ہاتھوں بہایا اور اسطرح عدالت الہي ان قوتوں کا حساب لے جو صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رہے ہیں.......

پس یہ ہے اُس مقدس تعلیم کا آخري ظہور جو دنیا کے سامنے ہے اور یہ ہے وہ پاک امانت جو " شہزدۂ امن " نے اپني نسل کو دي تاکہ وہ آسماني بیٹے کے باپ کہلائیں "

مولانا ظفر علیخاں لاہور -

"......انصاف اور رحم کے جذبات نے اگر جہاں کشا اقوام میں سے ایک آدہ کے سینہ میں پرورش پائي ہو تو یہ فسانہ عہد قدیم کي ایک دل آویز فصل ہے جو صرف ارائش سخن کا کام دے سکتي ہے ورنہ آج انصاف کہاں اور رحم کیسا ؟ یہ دونوں الفاظ تو تہذیب جدید کی لغات میں سرے سے مفقود ہیں یا اگر ہیں تو شرمندہ معنی نہیں - آج دنیا کا نظام حکومت جن اخلاقي قوتوں کي بنیاد پر قائم ہے وہ غرق آہن جہاز ہیں اژدردم توپیں ہیں ' فلک پرواز طیارے ہیں - قطار اندر قطار عسکریوں کي جگر گزار سنگینیں ہیں - صف

اندر صف پولس کی جمعیتہ فرسا لاٹھیاں ہیں جن سے جابرانہ قوانین کی ہیبت زیردستوں کے قلوب میں بٹھائی جاتی ہے........

ملوکیت کا یہ عفریت لعین جسنے عسکریت کی گود میں پرورش پائی ہے آج ربع مسکوں پر چھایا ہوا ہے اور ناتوانوں کے جسم کی بوٹیاں نوچ نوچ کھا رہا ہے، مغرب اس خونخوار دیو کا زاد بوم تھا - کاش یہ اپنے ہی وطن میں رہتا مگر اسنے ایشیا کو بھی اپنا گھر بنالیا اور اس وقت مشرق اقصی اسکی جہنمی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے - ۱۸ ستمبر سنہ ۳۱ع کی خونچکاں تاریخ چین کے چالیس کروڑ باشندوں کو مدتوں نہ بھولےگی اس لئے کہ اس دن ان کی فوجی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر جاپان کے عسکریت پرستوں نے جن کی نخوت کا سر روس کو نیچا دکھانے کے وقت سے آسمان تک اونچا ہوگیا ہے کسی قسم کا الٹی میٹم دئے بغیر، کوئی معقول حجت پیش کئے بغیر دفعۃً ایک ہی بے جگرانہ تاخت میں.........اور تمام دوسرے اہم جنگی نقاط پر قبضہ کر لیا اور اس بدعہدانہ یلغار میں قتل و غارت کے ایسے ایسے آدمیت سوز نظارے دنیا کو دکھائے جو زمانۂ قدیم میں یا تو چنگیز اور ہلاکو نے دکھائے تھے یا حال میں یورپ کے سورماؤں نے دکھائے ہیں“ -

---

”......زیرسایہ ہماپایہ برطانیہ ہندوستانی ریاستوں کی اندرونی آزادی کی کیسی دلکش تصویر ہے! والیانِ ریاست ہائے ہند کے ناموس فرمانروائی کی حفاظت کاکیسا شاندار ادعا ہے - مگر یہ ساری دلخوش کن باتیں کچھہ حقیقت بھی رکھتی ہیں یا چند الفاظ کا محض ایک نظرفریب مجموعہ ہے جس سے لندن کا

ہزارشیوہ سداری والیانِ ریاست ہائے ہند کو نظربند کرنا چاہتا ہے !!

ہندوستان میں سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن ہے جو رقبہ میں فرانس کے برابر ہے - جسمیں خدا کي ایک کروڑ چالیس لاکھہ مخلوق بستي ہے جسنے عہد ماضي میں برطانوي ملوکیت کے قصر فلک بوس کي بنیادیں اپنے خون کے گارے سے ہندوستان میں استوار کیں.........مگر دکن کا ایک پتہ بھي وائسرائے ہند کے حیدرآبادي گماشتہ یعنی رزیڈنت کي مرضی بغیر ہل نہیں سکتا دکن کا فرماں روا آصف جاہ ہفتم نہیں بلکہ اس وسیع و عریض مملکت کے سیاہ و سفید کے مالک جناب حیدري ہیں یعنی جناب ترنچ ہیں یعني جناب رزیڈینٹ ہیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ہیں یعني خود بدولت و اقبال جناب ریمزے مکڈانلڈ ہیں..........اب جنوب سے شمال کي طرف آئے - کشمیر کي ریاست رقبہ میں یورپ کي چھوتي چھوتي مملکتوں کو شرماتي ہے جسکي آبادي بلغاریہ کي آبادی کے برابر ہے جسنے انگریزوں کي ملوکیت کے آستانہ پر ہمیشہ سجدہ کیا جسنے اپني حلیفانہ فرائض کي انجام وہي میں ہر طرح کي مالی اور جاني قربانیاں آئے دن پیش کیں..............کشمیر کا فرماں روا آج مہاراجہ ہري سنگھہ نہیں بلکہ جناب راجہ ہري کشن کول ہیں یعني جناب گلسنی ہیں یعني جناب لتمیر ہیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ہیں یعني خود جناب ریمزے میکڈانلڈ ہیں -

برطانیہ کے ارباب حل و عقد ہندوستان کے دیدۂ فراست میں لندن کے چوراہے کي خاک کی متھیاں بھر بھر کر جھونکنے

کے بجائے اگر سچی بات خواہ وہ کیسی ہی کڑوی کیوں نہ ہو کہدیا کریں تو ہمیں کوئی شکوہ نہ ہو غصہ اگر آتا ہے تو اس بات پر کہ زہر دیتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اسے شہد سمجھو، غلامی کے طوق گلے میں ڈالتے ہیں مگر اصرار کرتے ہیں کہ اسے آزادی کا گجرا تصور کرو -

کاش حکومت انگریزی کو اپنے قول اور فعل میں تطابق پیدا کرنے کا خیال بھی کبھی آجائے کاش اس کا باطن بھی وہی ہو جو کبھی کبھی اسکا ظاہر ہو جایا کرتا ہے"

"ہنوز دھلی دور است" (از ظفر علی خاں) -

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے یوم نشور ہے
ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بیگنھی چور چور ہے
زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قویم جو خیرالامور ہے
ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے
لکھی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے 'ست بچن' کہیں تو کہیں 'جی حضور' ہے
آپس کی پھوٹ کر کے رہیگی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ! کب ہمیں اتنا شعور ہے
لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا
لیکن یہ قافلہ ابھی دھلی سے دور ہے

اسوقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستان خود یہ تمہارا ہی قصور ہے

فریاد جرس '' :—

کل کہہ رہے تھے ایک محب وطن بزرگ
ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا
انساں سے چھین لی گئی آزادئی ضمیر
لیلی کے ناقہ کے لئے محمل نہیں رہا
تھا دشنہ حق کا تیز بھی خونریز بھی مگر
کچھ دن سے در خورِ رگ باطل نہیں رہا
لندن کی عافیت کبھی جس سے ہوئی تھی تنگ
زنداں میں اب وہ شور سلاسل نہیں رہا
سچ اور جھوٹ میں نہیں باقی رہی تمیز
اور امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
میں نے دیا جواب کہ ہیں یہ گلے فضول
جب سب ہیں عالم اور کوئی عامل نہیں رہا
ہم آپ اپنی راہ کے سنگ گراں بنے
رہرو کو فکر دوری منزل نہیں رہا
جو کوشش آشتی کی ہوئی رائگاں گئی
اور کوئی اتحاد کا قائل نہیں رہا
پھر کس لئے یہ شکوہ کہ لطف خدائے پاک
ہندوستان کے حال کو شامل نہیں رہا

لیکن یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اس قسم کی نظموں کی بہترین مثال علامہ شبلی مرحوم کے ہاں ملتی ہے - میرا ذاتی خیال ہے کہ لطیف طنزیہ نظمیں لکھنے کا سہرا

علامه مرحوم کے سر ہے بایں‌همه یه کہنے میں بھي تامل نہیں ہے که جہاں تک اس صنف کلام کا تعلق ہے مولانا ظفر علي خاں ، علامه شبلي کے تنہا اور بہترین متبع ہیں !

علامه شبلي مرحوم کي بعض نظمیں هدیه ناظرین ہیں -

'' سوٹ ایبل ' سلف گورنمنٹ :—

دیکھا جو لیگ نے که ہوا خاتمه تمام
از بسکه دست حق طلبی اب دراز ہے
کہنے لگے ہیں سب که سیاست کا یه نظام
مقبول خاص و عام نہیں خانه ساز ہے
تقسیم مشرقي نے عیاں کردیا ہے سب
جو شاهراه حق میں نشیب و فراز ہے
مجبور ہو کے لیگ نے الٹا ہے یه ورق
جو سر بسر مرقعِ نیرنگ ساز ہے
چہره په ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
ہر دیده ور اسیر طلسم مجاز ہے
سمجھے نه یه که سوٹ ابل کی جو شرط ہے
تمہید سجده ہائے جبین نیاز ہے
سمجھے نه لوگ یه که یہی لفظ پُر فریب
اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
سب یه سمجھ رہے ہیں که اب لیگ و کانگرس
دونوں کا ایک عرصه گہه ترک و تاز ہے
جب تک که لوگ حلقه بگوش خواص ہیں
جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے

جب تک ھیں لوگ عالم بالا سے مستفیض
جب تک بھم یہ دور " قدم ھائے راز " ھے
احرار سے کھو کہ نھیں کچھہ امید صلح
مٹتا نھیں جو تفرقہ اور امتیاز ھے
آزادی خیال پہ تمکو ھے گر غرور
تو لیگ کو بھی شان غلامی پہ ناز ھے

مسلم لیگ :—

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلی ھاتھہ سے قوم
اک نیا روپ بھرا اس نے باانداز دگر
منظر عام پہ لوگوں سے کیا اسنے خطاب
کہ نھیں سلف گورنمنٹ سے اب ھمکو مفر
اک ذراسی مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ھے
جس سے ھیں متفق اللفظ سب ارباب نظر
یعنی وہ سلف گورنمنٹ کہ ھو سوٹ ایبل
یا کہ موزوں و مناسب ھو باالفاظ دگر
جب کبھی کوئی بھی تحریک سیاسی ھوگی
آپ اسی قید مناسب کو بنائیں گے سپر
اب بھی ھیں جادۂ مقصد کے وھی نقش قدم
اب بھی اوراق سیاست کا وھی ھے مسطر
یہ وھی لفظ ھے مجموعۂ صد گونہ فریب
یہ وھی لفظ ھے سرمایہ صد گونہ ضرر
آپ ھر بار جو بڑہ بڑہ کے پلٹ آتے ھیں
ھے اسی شیوۂ تعلیم غلامی کا اثر

ہے حقیقت میں اسی متن غلامی کی یہ شرح
ہے حقیقت میں اسی نخل سیاست کا ثمر
جب کہیں بھی کوئی پہلوے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہریگی نظر
اسقدر سرد مزاج اور پھر اسپر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہونچ جائے نہ فالج کا اثر

لیگ کی عظمت و جبروت سے اِنکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے
کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رند مَے آشام بھی ہے
فیض اس کا ہے بہ اندازۂ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے درد تہ جام بھی ہے
کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
رجع خاص بھی ہے قبلہ گہِ عام بھی ہے
پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نو جوانوں کو صلائے طمعٔ خام بھی ہے
رہنمایاں نو آموز کا ہے مکتب درس
زینۂ فخر و نمائش گرئی عام بھی ہے
جن مہمّات میں درکار ہے ایثار نفوس
ان میں طرز عملِ بوسۂ و پیغام بھی ہے
مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسنِ قوم بھی ہے خادم حکّامِ بھی ہے

ربط ہے اس کو گورنمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جس طرح ' صرف ' میں ایک قاعدہ ادغام بھی ہے
اس کے آفس میں بھی ہر طرح کا سامان ہے درست
ورقِ سادہ بھی ہے کلک خوش اندام بھی ہے
چند بی اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھہ اسسٹنٹ ہیں کچھہ حلقہ خدّام بھی ہے
ہو جو تعطیل میں تفریح سیاست مقصود
سفر درجۂ اول کے لئے دام بھی ہے
یہ تو سب کچھہ ہے، مگر ایک گذارش ہے حضور
گر چہ یہ سوء ادب بھی ہے اور ابرام بھی ہے
مجھہ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
سال بھر حضرت والا کو کوئی کام بھی ہے !

مسلم یونیورسٹی :—

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے
کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے
ہم تو ازل سے حلقہ بگوش نیاز ہیں
یہ سر ہمیشہ زیر قدم پائمال ہے
ہم نے تو وہ ثنا و صفت کی حضور کی
جو خاص شیوۂ صفت ذوالجلال ہے
آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پر
یاں تک تو ہم کو پاس ادب کا خیال ہے
اُردو کے باب میں جو ذرا کھل گئی زبان
اب تک جبیں پر عرق انفعال ہے

دامن غبار حق طلبي سے رہا ہے پاک
یہ فیض خاص رہبر دیرینہ سال ہے
آیا جو حریّت کا کبھي دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوش جنوں کا وبال ہے
أب تک اسي طریق پہ ہیں بندگان خاص
گو صحبت عوام میں کچھہ قیل و قال ہے
گردن جھکي ہوئي ہے زباں گو ہے شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے
الحاق سے کچھہ اور نہ تھا مدعائے خاص
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے
یعني یہ پھیل کر نہ زمانہ کو گھیر لے
اب تک جو مختصر یہ علی گڑہ کا جال ہے
پھر بھي حضور کي نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھي گناہگار مرا بال بال ہے
اتنی سي آرزو بھي پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں گے اور بھي کچھہ عرض حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستان غم
جب ختم ہو گئي تو یہ لب پر مقال ہے
حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا مسخ
وہ درسگاہ روئے وفا کا جو خال ہے

——

قاضي عبدالغفار صاحب مرادآباد :—
(ماخوذ از نقش فرنگ) -
"......جب تخیل کي پستي کا یہ عالم ہو اور نظر

اسقدر محدود ہو کہ پی اینڈ او کمپنی کے پانی پر تیرنے والے عشرت محل میں چند روز سفر کرنا اور چند روز انگلستان اور پیرس کی تہذیب و تمدن کی مینا کاریوں سے متمتع ہونا بھی ایک مجاہدہ قرار پائے تو جان لیجئے کہ اُس قوم کا مرض پرانا ہے اور اب علاج محض گرمئی سخن سے نہ ہوگا - کچھ آج نہیں میرے دل میں یہ خیال اکثر آیا ہے کہ آخر یہ تماشے کب ختم ہونگے - تماشاگاہ میں ہر شب کو تاج الملوک بکاؤلی کے سرھانے پہنچ جاتا ہے لیکن صبح کو جب تماشہ ختم ہوا تو اُس تاج الملوک نے بھی رات کے رنگ روغن کو گرم پانی سے دھو ڈالا اور بکاؤلی کے نرگس شہلا کا بھی سرمہ بہہ گیا ! اس بدنصیب براعظم کے تماشاگاہ میں شب و روز یہ تماشے ہو رہے ہیں ، لمبی تانیں ، بلند آوازیں ، بہت سے خوبصورت ہار اور گلدستے ، پھولوں سے لدی ہوئی گاڑیاں اور جلوس - قوم کی بیداری کی روشن دلیلیں یہ ہیں ! خدمت و مخدومیت کا تخیل وہ تاج الملوک ہے جس نے بکاؤلی کو محض خواب میں دیکھ لیا ہو اور ایک کاغذ کا پھول بنا کر دکھاتا پھرے کہ یہی میرا گُل، مراد ہے ! ''

——

" ..... بہت سے دولت مند عرب بھی دیکھے جو اپنی موٹروں میں اُڑے پھر رہے تھے - کیا یہ بھی عہد نبوت کے ان شتر بانوں کی نسل ہے جو ناقۂ رسالت کی ڈوری پکڑ کر چلتے تھے ؟ کیا وہ بھی طارق کی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہونے والوں کے اخلاق ہیں جو جہاز کے سامنے پانی میں غوطہ لگا رہے تھے کہ شاید کوئی مسافر ایک پیسہ پھینک دے !

معلوم نہیں عدن کی پہاڑیوں کے دامن میں پانی کے حوض کسنے بنائے تھے جنکو آثار تاریخی کا جویاں سیاح دیکھنے جاتا ہے - کوئی کہتا ہے کہ یہ حوض ایرانیوں کے بنائے ہوئے ہیں - کوئی کہتا ہے کہ عربوں کے کسی پرانے قبیلے نے صدیوں پہلے ان حوضوں کو تیار کیا تھا -

......آج یہ حوض خشک پڑے ہیں پہاڑ بھی خشک ہیں اور انکے چشمے بھی بےآب ہیں - لاریب کہ عدن کے تمام چشمے خشک، ہیں - پانی کے چشموں کا کیا ذکر عرب کی انسانیت کے چشمے بھی خشک ہیں اور جہاں کچھہ پانی ہے تو اُسکو بھی گندی مچھلیوں نے گندہ کر دیا ہے ''.

''......بہت سے جہاز اس سمندر میں گذرتے ہیں - ان جہازوں پر ہزاروں مسلمان خلاصی اور سیکڑوں مسلمان مسافر بھی گذرتے ہونگے لیکن کتنے ایسے ہیں جن کو یہ خبر ہے کہ اس سمندر کے پانی میں فدائیاں اسلام کا کسقدر خون ملا ہوا ہے - رونے کو نہیں کہتا - رونے کا قائل نہیں - مگر یہ ایک درس عبرت ہے ! یہاں مدرسوں میں نپولین کرامول اور نلسن کے سوا ہے کیا - انہیں کیا معلوم کہ بحر اوقیانوس میں بھی کبھی اونٹ والے گھس جایا کرتے تھے ! وہ آرمیڈا کے نام سے تو واقف ہیں مگر عقبہ ابن نافع کے گھوڑے اور طارق کی کشتیوں کا حال انکو کیوں کر معلوم ہو ! غلامی کا اصلی زہر یہ ہے ! پھر کیا تعجب ہے کہ یہ غافل دنیا میں جدھر جاتا ہے زندگی کو تلخ پاتا ہے !

"ملاقاتیں ختم ہو گئیں - بارگاہ وزارت کے دروازے بند ہو گئے - بندگان فرمان حاضر ہوئے اور رخصت کردئے گئے - اک تماشہ تھا کہ ختم ہوگیا کوئی نئی بات ہمارے ذہن میں نہیں تھی جو کہتے کوئی نئی بات وزیراعظم کے پاس نہ تھی جو وہ کہتے ہم نے وہی کہا جو عرصہ سے کہہ رہے ہیں انہوں نے وہی جواب دیا جو وہ دیا کرتے ہیں - ہمارے مطالبات بھی وہی تھے ان کا انکار بھی وہی تھا - ہمارے عرض معروض کا انداز کچھہ بدلا ہوا نہ تھا اُنکی نفی کا وزن بھی پہلے سے کچھہ کم نہ تھا - ہمارے آنے سے پہلے کچھہ باقی نہ تھا جو وزیر اعظم کے کان تک نہ پہونچاہو اور ملاقاتیں ختم ہو جانے کے بعد بھی کچھہ باقی نہ رہا جو آیندہ کہا جائے! غلام بھی وہی تھے آقا بھی وہی تھا - ہماری پیشانی بھی وہی تھی اور انکا سنگ آستاں بھی وہی تھا ہماری التجائیں بھی وہی تھیں اور انکا اغماز بھی وہی تھا! پھر آخر یہ سب تھا کیا؟ ......یہ اب ایک خواب ہے کہ چند روز یاد رہے گا ، میں اس خواب کو حوالۂ قلم کرتا ہوں کہ اگر کہیں یہ صفحات ہندوستان کے آیندہ مورخ کے ہاتھہ پڑ جائیں تو وہ بھی دیکھے کہ ہندوستان کس طلسم میں مبتلا تھا - ہر شخص پوچھتا ہے کہ آخر گئے کیوں تھے جواب اسکے سوا کیا ہو کہ اسلئے کہ بلائے گئے تھے - اتنی جلد کیوں واپس آئے اس لئے کہ واپس بھیجدئے گئے......"

——

خواجہ حسن نظامی صاحب اپنی ظرافت کے بارے میں خود فرماتے ہیں :—

" میری طبیعت کي افتاد شوخي و ظرافت کے خلاف واقع هوئي هے........مگر جناب اکبر کي هم نشیني اور کچھه اِس احساس کے سبب که نثر اُردو میں مفید ظرافت کا رواج بڑھے مجھکو بھي شوق هوا که اُردو کے اس میدان میں طبع آزمائي کروں - میري عادت تقلید کي نهیں اسواسطے میں نے اُردو هی سے اُس کا عنوان نیا تصنیف کیا اور اسکا نام چٹکیاں اور گدگدیاں رکھا ....اکثر مضامین میں جناب اکبر کا پیرایه میرے پیش نظر هے وہ نظم کے دو جملوں میں جو بات کهتے هیں میں نے اسکو ایک بڑے مضمون نثر میں ادا کیا هے - بعض مضامین کي شوخي کھلي هوئي هے بعض کي عبارت اوپر کی سطح سے سنجیده معلوم هوتي هے مگر اثر دل پر ظرافت کا هوتا هے - دانسته بھي ایسا کیا هے که بعض شوخ مضامین کو رکاکت میں گر جانے کے اندیشه سے متانت کي چادر اُڑھا دی هے.......هنسی مذاق میرا کام نه تھا مگر میں نے محض زبان اُردو کی خاطر اس میں دخل دیا اور کچھ لکھا.......میرے تازہ مجموعۂ مضامین پر جو سیپارۂ دل کے نام سے گذشته مهینے شائع هوا هے جناب مولوی عبدالحق صاحب بي اے سکریٹري انجمن ترقي اُردو نے دیباچه لکھتے هوئے ایک فقرہ یه بھي لکھا تھا که ان مضامین میں غالب کے طرح ظرافت کي چاشنی نهیں هے لهذا آج مغلوب کی طرح ظرافت کي چاشني چکھانے لایا هوں " -

---

خواجه صاحب کي ظرافت اپني آپ مثال هے - اس طرز میں ان کا کوئي ثاني نهیں هے ' راقم السطور کو رعایت لفظی اور حروف یا الفاظ کی اُلٹ پھیر سے طبعاً نفرت هے - خواجه صاحب کے یهاں یه

چیز کثرت سے ہے، اس میں شک نہیں یہ سستے قسم کی ظرافت ہے اور اس پر سر دھننے والے بھی کثرت سے ملتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کا منشا بھی یہی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف یا اپنی مقاصد کی طرف متوجہ کر سکیں لیکن جہاں تک صحیح ذوق اور سنجیدہ انشاپردازی کا تعلق ہے یہ نیت یا یہ فعل کچھہ بہت زیادہ قابل تحسین یا تقلید نہیں ہے - لیکن اس میں بھی شک نہیں جہاں خواجہ صاحب مفہوم اور مقصود کو ان لفظی بازیگریوں یا گورکھدھندے سے محفوظ رکھتے ہیں وہاں ان کی خیالات نہایت درجہ پُر لطف اور اتنا ہی سبق آموز ہوتے ہیں - طنزیات اور ظرافت دونوں انتہائی خلوص اور ایمانداری کے طلبگار ہوتے ہیں - یہاں اشخاص اور الفاظ کو زبردستی یا دیدہ و دانستہ اُچھالتے، پھراتے رہنا، کفر ہی نہیں بلکہ اس سے کچھہ زیادہ یعنی بد مذاقی ہے !

خواجہ صاحب کے بعض چٹکلے دوسروں کے پورے ظریفانہ مضامین پر بھاری ہوتے ہیں - خواجہ صاحب کی سہل، سادہ اور مزیدار اُردو بجائے خود لطیفہ ہوتی ہے چہ جائیکہ اس میں ظرافت اور خوش طبعی کی بھی چاشنی رکھدی جائے - ہر اچھی ظرافت ایک قسم کی خوشگوار طنز ہوتی ہے اور ہر خوشگوار طنز بجائے خود ایک لطیف ظرافت ! اس کا بہترین ثبوت خواجہ صاحب کی بعض چٹکیاں اور گدگدیاں ہیں ،

ملا رموزی اور خواجہ حسن نظامی کی ظرافت اور خوش طبعی میں یہی چیز مابہ‌الامتیاز ہے - ملا رموزی کا دماغ ظرافت کے لئے نہایت رسا ہے، وہ جس موقعہ کا تذکرہ کریں گے اس میں ظرافت

یا طنز کے جتنے پہلو ممکن ہیں سب اُن کے سامنے آجائیں گے لیکن لکھتے وقت وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ سب باتیں لکھنے کی نہیں ہوتیں یا اُن الفاظ اور لہجہ میں نہیں لکھنا چاهئے جن میں ملا صاحب لکھنے کے عادي ہیں ملا صاحب کي تحریروں میں ایک چیز اکثر کھٹکتی ہے اور اس چیز کا احساس سوا ملا صاحب کے ہر ایک کو ہے یعني وہ دوسروں کي پگڑی اور اپنا نام اُچھالنے کي زیادہ فکر رکھتے ہیں ! اور یہي وہ چیز ہے جس کے سبب سے اُن کي بہترین ظرافت ، بد ترین طنز - اور بہترین طنز ، بدترین ظرافت میں تبدیل ہو جاتی ہے - جو چیز پیشہ بنا لیجائے گي وہ ہمیشہ قبیح نظر آئیگی اور جو چیز بطور مشغلہ تفریح برسرکار رہیگي وہ ہمیشہ مقبول اور محبوب ہوگي - ملا رموزی صاحب نے ظرافت اپنا پیشہ سا بنا لیا ہے اور یہي سبب ہے کہ بسا اوقات وہ لکھتے لکھتے ایسا لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں یا ایسے الفاظ اور فقرے لکھہ جاتے ہیں جو انکے جیسے رتبہ کے انشاپردازوں کے شایاں شان نہیں ہوتے - مثلاً رسالہ صوفي میں انھوں نے پیروں ، صوفیوں اور اسکول کے لڑکوں کے بارہ میں جو قلمي جہاد (یا مغلظات) شروع کیا ہے وہ کسی طور پر ایک معقول مسلمان انشاپرداز کے شایان شان نہیں ہے - ملا صاحب غالباً راقم‌السطور سے بہتر اس امر کا احساس رکھتے ہیں کہ مکروہ سے مکروہ اور فحش سے فحش حالات اور واقعات پر بھي انتہائي لطافت اور نزاکت سے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کرنا ناممکن ہے تو پھر انشا پردازي کے بجائے کچھہ اور کیوں نہ شروع کردیا جائے !

بایں‌ہمہ مجھکو یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ملا صاحب کي

تصلیفات بعض حیثیات سے بے مثل ہیں ، ان کو ایسی ایسی ظرافتیں بھی سوجھہ جاتي ہیں جہاں بمشکل کسی کي رسائي ہو سکتی ہے جو نہایت درجہ دلکش اور پر لطف ہوتي ہیں اور جہاں تک ہر شخص کا پہنچنا قطعاً آسان نہیں ہے ! ناانصافی ہوگي اگر یہاں پروفسر عبدالقادر سروري ام اے ایل ایل بي کے خیالات بھي ناظرین کے سامنے نہ پیش کئے جائیں جو انہوں نے ملاصاحب کے مضامین کے مجموعہ پر بطور '' ایک علمي تبصرہ '' قلمبند فرمائے ہیں '

'' ......غرض ابھي ایک وسیع اور شاندار مستقبل ہمارے سامنے ہے جس کا راستہ ملا رموزي نے کھول دیا ہے یقیناً ملارموزی کی ظرافت نگاری اخبارات اور رسائل سے نکلکر مستقل ادبیات میں جگہ کرلیگي اور قوم کے پژمردہ دلوں کے لئے مسرت پائدار ثابت ہوگي اور ملک کے تاریک ترین گوشوں کے لئے بھي روشني کا کام دیگي اسی لئے ملا رموزي کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کی نثري اور ادبی خدمات اب بتدریج ادبیات اردو کا جزولازم بن رہی ہیں اور '' تاریخ ادبیات اُردو '' آپ کا نام ہمیشہ عزت وشکر گذاری سے محفوظ اور برقرار رکھیگي - ''

خواجہ حسن نظامي صاحب کی چٹکیاں اور گدگدیاں :—

'' ساربان ابن ساربان ''

'' تمہارے خاقان ابن خاقان و سلطان ابن سلطان کا ہم قافیہ ساربان ابن ساربان ہوں ' اونت چلاتا ہوں - اونت کي محنت پر میری زندگی کا دارومدار ہے -

دیکھو میرے پیچھے اونٹوں کی ایک قطار چلي آتي ہے '

هر اونٹ کي نکيل دوسرے کي دم سے بندھي ہوئي ہے اور بيچارہ چپ چاپ گردن جھکائے آگے والے اونٹ کے قدم بقدم چلا جاتا ہے -

راستہ ميں ايک منطقي صاحب ملے تھے - بولے کيوں بھئی اونٹو! تمہاری پيٹھہ پر کيا لدا ہوا ہے اور تم کہاں جاتے ہو ' سب نے کہا اسکی خبر ہمارے ساربان ابن ساربان کو ہے - اس نے جو کچھہ لاد ديا ہے ہم نے لاد ليا ہے - وہ جہاں لے چلے گا وہاں چلے جائيں گے -

منطقي نے کہا تم کو معلوم کرنا چاہئے تھا کہ کہاں کا ارادہ ہے اور پشت پر لادي ہوئي چيز کيا ہے - يہ سنکر ايک اونٹ نے کيا خوب جواب ديا کہ آپ کے کالجوں اور اسکولوں ميں جو شترزادے کتابوں کا بوجھہ اُٹھائے ہوئے اور ايک دسرے کي دم سے بندھے جارھے ہيں ان سے بھي کبھی پوچھا کہ کہاں جاؤ گے اور تم پر کيا لدا ہوا ہے......''

''پيارى ڈکار''

''کونسل کي ممبري نہيں چاہتا ' قوم کي ليڈري نہيں مانگتا - اول کا خطاب درکار نہيں موٹر اور شملہ کی کسی کوٹھي کي تمنا نہيں ميں تو خدا سے اور اگر کسي دوسرے ميں دينے کي قدرت ہو تو اس سے بھي صرف ايک ' ڈکار ' طلب کرتا ہوں - چاہتا يہ ہوں کہ اپنے طوفانی پيٹ کے بادلوں کو حلق ميں بلالوں اور پوري گرج کے ساتھہ باھر برساؤں يعني کراکے دار ڈکار لوں پر کيا کروں يہ نئے فيشن والے مجھکو زور سے ڈکار لينے نہيں ديتے - کہتے ہيں ڈکار آنے لگے تو ہونٹو کو بھيچ لو اور ناک کے نتھنوں سے اُسے چپ چاپ اُڑادو - آواز سے ڈکار ليني بڑي بے تہذيبي ہے -

مجھے یاد ہے سر جیمس لاٹوش یو پی کے لفٹنٹ گورنر علی گڑہ کالج میں مہمان تھے رات کے کھانے میں مجھ جیسے ایک گنوار نے میز پر زور سے ایک ڈکار لے لی - سب جنٹلمین اس بیچارے دھقاني کو نفرت سے دیکھنے لگے - برابر ایک شوخ و طرار فیشن ایبل تشریف فرما تھے انھوں نے نظر حقارت سے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا جیب سے گھڑي نکالي اور اس کو بغور دیکھنے لگے - غریب ڈکاری پہلے ھي گھبرا گیا تھا - مجمع کي حالت سے متاثر ھورھا تھا - برابر میں گھڑي دیکھي گئي تو اُس نے بے اختیار ھوکر سوال کیا - جناب کیا وقت ھے - شریف فیشن پرست بولا گھڑي شاید غلط ھے - اس میں نو بجے ھیں مگر وقت بارہ بجے کا ھے کیونکہ ابھي توپ کي آواز آئي تھي !

بیچارہ ڈکار لینے والا سنکر پاني پاني ھوگیا کہ اسکی ڈکار کو توپ سے تشبیہ دیگئی - اس زمانے میں لوگوں کو سلف گورنمنٹ کي خواھش ھے ھندوستانیوں کو عام مفلسي کي شکایت ھے - میں تو نہ وہ چاھتاھوں نہ اس کا شکوہ کرتا ھوں - مجھکو تو انگریزي سرکار سے صرف آزاد ڈکار کي آرزو ھے - میں اس سے ادب سے مانگونگا ' خوشامد سے مانگونگا - کوئي نہ مانےگا تو کہے دیتا ھوں زور سے مانگوں‌گا - جد و جہد کروں‌گا - ایجي‌ٹیشن مچاؤں‌گا - پُر زور تقریریں کروں‌گا - کونسل میں جاکر سوالوں کي بوچھار سے آنریبل ممبروں کا ناک میں دم کروں‌گا -

لوگو ! میں نے تو بہت کوشش کي کہ چپکے سے ڈکار لینے کی عادت ھو جائے - ایک دن سوڈا واٹر پي کر اس بھونچال ڈکار کو ناک سے نکالنا چاھتا تھا مگر کمبخت دماغ میں الجھہ کر رھگئي ' آنکھوں سے پاني نکلنے لگا - اور بڑي دیر تک کچھہ سانس رکا رکا سا رھا !

کیوں بھائیو تم میں سے کون میری حمایت کریگا اور نئی روشنی کی فیشن ایبل سوسائٹی سے مجھکو اس اکسٹریمسٹ حرکت کی اجازت دلوائیگا - خلقت تو مجھکو حزب الاحرار یعنی گرم پارٹی میں تصور کرتی ہے اور میرا یہ حال ہے کہ اپنی گرم ڈکار تک کو گرما گرمی اور آزادی سے کام میں نہیں لاسکتا - ٹھنڈی کر کے نکالنے پر مجبور ہوں !

بعض بےمزہ لفظی اُلٹ پھیر کی مثالیں :—

" پٹرولیم کا قحط :—

ایک معنی تو پٹرولیم کے کال کے ہیں اور دوسرے علحدہ علحدہ معنوں میں ، یعنی پیٹر بمعنی پیٹروگراڈ اور دوسرا (قیصر) ولیم سب کا مفہوم یہ رہا کہ جرمنی اور روس دونوں غائب !!

" طائر ہوائی کی بیٹ "

ایک بیت تو وہ جو سخن فہمی عالم بالا کے سلسلہ میں کسی شاعر کو نصیب ہوئی تھی دوسری بمعنی ' ضرب ' انگریزی میں beat بیٹ کے معنی مارنے کے ہیں - مطلب یہ ہے کہ " ہوائی پرندوں کی آتشی بیٹ جرمن کے منھہ پر ہورہی ہے " !

" جرمن میں مس کی کمی "

مس بمعنی تانبا اور مس بمعنی عفیفہ - " پس اہل جرمن کو چاہئے کہ وہ مسوں کو مومیائی بناکر کمیائی طریق سے مِس بنالیں "

" جنرل فان "

" اس میں فان لگا ہوا ہے جسکی معنی فنا ہونے کے ہیں - معلوم نہیں وہ اس لفظ سے فاعلیت کا اثر حاصل کرینگے یا

مفعولیت کا - آخری اثر ہوا تو ان کے ہاتھوں سے جرمنی قوم کا فنا ہو جانا لازمی ہے " !

" آپان "

" جاپانی دھاں کے چاول کھانے والے ہندوستان کے پان کے قریب ہونے کے سبب اپنے ملک کو جاپان کہتے ہیں ان سے کہدو کہ ہمارے پان کو نظر نہ لگائیں کیونکہ ان کی زبان سے جاپان سنکر جی دھڑکتا ہے - وہ ہمارے دوست ہیں تو اپنے ملک کا نام آپان رکھہ لیں تا کہ پان خور ہندوستانی وہاں جا کر علم و ہنر سیکھہ آیا کریں - پان پر جا کا لفظ ٹھیک نہیں "

" جنوری میں جانوری "

" جنوری کی سردی میں ہر انسان جانور بن جاتا ہے اور ہر وقت لحاف و کمبل کے بھٹ میں گھسا رہنا چاہتا ہے "

" دردمہ "

اخبار ہمدرد کو اُلٹ کر دیکھو تو دردمہہ بن جائے - اس واسطے ثابت ہوا کہ ضرور اُس کے ایڈیٹر کے شکم میں ہلال کا درد ہے "

" لال ہلا "

" الہلال بند ہو گیا - یہ بے نقط اخبار تھا اور سب کو بے نقط سناتا تھا - جب چارۂ کار کی تدبیریں ہونے لگیں تو اس کے حروف کو بھی اُلٹ کر دیکھا تو حکم ملا (لال ہلا) معلوم نہیں الہلال کے محرر خصوصی لالوں کا ہلانا منظور کرینگے یا نہیں طوطے تو بہت پال چکے ہیں لالوں کا پنجرا بھی رکھہ لیں تو کیا مضائقہ ہے " ؟

وغیرہ وغیرہ -

ملا رموزي صاحب :—

اگر یہ صحیح ہے کہ بڑے بڑے لارڈ "آپریشن" سے شفاخانوں میں مرجاتے ہیں - اگر ہندوستانی راجے مہاراجے قوت باہ اور طلا کي گولیوں سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں اگر ہندوستانی قلي ' صاحب لوگوں کی ٹھوکر سے مرجاتے ہیں تو دیکھہ لینا ہم کسی نہ کسي دن مضمون نگاری میں ....یہ ہو جائینگے اور یار لوگ اناللہ پڑہ کر فارغ ہو جائیں گے.......وہ تو قوم نے مالداري کی وجہ سے خواجہ حسن نظامي صاحب کو "مصور فطرت" کہدیا ہے ورنہ اصل میں "مصور فطرت" تو ہم تھے جب کہ ہم ہر شخص کا حلیہ کھینچ کر رکھہ لینے میں عبدالرحمن چغتائي سے کیا کم ہیں اور ہمارا کونسا مضمون ہوتا ہے جو "عمل چغتائي" کا کام نہ دیتا ہو......"

"کالا آدمي"

جنوبي افریقہ میں گول میز کانفرنس کیجئے چاہئے کوہ ہمالیہ پر بیٹھہ کر تالیاں بجائے - یہ جو ہندوستان کے تیس بتیس کرور انسان "کالا آدمي" ہو چکے - سو اب سفید نہیں ہو سکتے - یقین نہ ہو تو شریک ہو جائے وائسرائے کے استقبالی ہجوم میں ' جمع ہو جائے کسي بازار میں اور مجمع کیجئے کسی ریلوے پلیٹ فارم پر - پس ایک انگریز صاحب آئیں گے اور "اے کالا آدمي" کہہ کر آپ کو ہٹا دینگے علحدہ کردینگے اور کبھي آپکے اوپر سے گھوڑا دوڑا کر منتشر کردینگے - مگر یہ کبھي نہ کرینگے کہ "کالا آدمي" سمجھکر ریل کا کرایہ ' لفافوں کی قیمت یا میونسپل تکس آپ سے کم کروالیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر

انگریزوں نے ہندوستانیوں کا تخلص "کالا آدمی" ہی کیوں رکھا ؟ اس کا جواب۔۔۔ مسیح موعود نے یہ دیا ہے جب کہ ہم ہندوستانی پانی پت کے میدان میں انگریز بھائیوں کے مقابلہ سے بھاگ چکے تو اب انگریز ہو گئے "اولی الامرمنکم" لہذا اب ان پر کوئی اعتراض ، سوال ، تنقید ، غرض سب کچھہ حرام ہے۔۔۔۔۔۔"

——

ریل کا سفر :—

"۔۔۔۔۔ لیکن عین اس وقت جب کہ ہم جوانی کی نیند کے مزے لے رہے تھے یکایک ایک جھٹکا لگا جس کے اثر سے ہم الصلواۃ خیر من النوم۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتے ہوئے بیدار ہو گئے اب جو آنکھیں کھولتے ہیں تو سینہ پر ایک گٹھری اور بسترا رکھا پاتے ہیں لیکن آپ بھی ہمارے وسیع مطالعہ کو دیکھئے کہ چھاتی پر بسترا رکھا دیکھکر ہمیں کوئی حیرت نہ ہوئی بلکہ فوراً سمجھہ گئے کہ ہو نہ ہو یہ کوئی اسٹیشن ہے - جہاں سے کوئی گھبرایا ہوا کسان سوار ہو رہا ہے اور اس نے گھبراہٹ میں یہ بسترا کھڑکی سے ہی ہمارے اوپر دے مارا اور اب وہ صدر دروازہ سے آیا ہی چاہتا ہے - یہ سوچ کر گردن جو اٹھائی تو صدر دروازہ سے دیکھا کوئی دس بارہ کسان ریل کے اندر چلے آرہے ہیں ، سروں پر چار چار تھان کھدر کے لپیٹے ہوئے جن کے اندر سے وہ لمبی لمبی چلمیں نظر آرہی تھیں جو بوقت سفر اس کھدری عمامہ کے اندر لگا لی جاتی ہیں - اسی کھدر کے "میڈ ان دیہات" کوٹ جنکے سینے کھلے اور اندر سے بال صفا پوڈر صاف نظر آرہے تھے - ہاتھوں میں بڑی بڑی لاٹھیاں ، بقدر ستر عورت دھوتیاں اور پاؤں میں وہ وزنی جوتے جو اخبار ہمدم کے کسی لکھنوی

کاتب یا اسسٹنٹ اڈیٹر کو غلطي سے پھنسا دئے جائیں تو اُف کہہ کر اناللہ ہو جائیں - غرض کسانوں کي یہ پوری پارلمنٹ جب اس ڈبے میں داخل ہوئي تو اب ہمیں اطمینان ہو گیا کہ بمبي تک سونا تو ایک طرف شاید ہم حرکت بھي نہ کر سکیں گے ""

"......اب بتائے کہ ملا رموزي پولیس کو لے کر کس کے پیچھے بھاگے ؟ میاں مجرد کے یا اس عورت کے یا اس عورت کے ان بے حیا بے غیرت اور بے حمیت ماں باپ کے جنھوں نے اس حرافہ اور فاحشہ کو پال کر جوان کیا اور خدا پرستی کو ذلیل کرانے کے لئے بھیجا بھی تو اندھوں نے ایک بدمعاش پیر کے پاس مگر آہ تمھیں کیا خبر کہ آج دولت مندوں کے کتنے اونچے اور نیچے گھرانے کي بدکار و بدمعاش عروتیں ھیں جو مرید ہونے کے نام سے ان بدمعاش پیروں کے آغوش میں ھیں مگر نہ انھیں موت آتی نہ ان کے مردوں کو اور مارے غیرت اور تاؤ کے سوکھہ کر کانٹا ہوتے جاتے ھیں کون کہ یہ اپنے ھنسانے اور زندہ دل بنانے والے ملا رموزي صاحب !

"......لھذا ارباب قلم سے درخواست ھے اگر انھیں تاریخ کے معزز صفحات میں اپنی اس نئي نسل کو زنانہ نسل لکھوانے سے کچھہ بھي شرم دامنگیر ہوتی ھے تو وہ شمشیر بے پناہ ہو کر لڑکوں کے اس زنانہ پن کو روکنے میں ملا رموزي کا ساتھہ دیں کیونکہ بناؤ سنگھار اور زنانہ پن کے حساب سے یہ لڑکے اب اس قابل ہو گئے ھیں کہ لوگ ھر لڑکے کے باپ کو یہ پیغام بھیجنا

شروع کردیں کہ اپنے لڑکے کے ساتھہ ہماري نسبت منظور فرماکر ہمیں
اپني فرزندي میں قبول فرمائے۔۔۔۔۔۔"

طنزیات و مضحکات کے سلسلہ میں اودھ پنچ کا تذکرہ ضروري
بھی ہے اور دلچسپ بھی - غالب کے عہد تک طنز اور ظرافت کا
جو سرمایہ اردو میں ملتا ہے وہ "پنچیانہ" رنگ
پنچ سے گو بے نیاز نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں
اس دور تک پنچ کو صحافتي درجہ حاصل نہیں تھا - اسبارہ
خاص میں اودھ پنچ کو امتیاز تقدم حاصل ہے - اودھ پنچ
کے بعد ہندوستان کے دیگر حصص میں پنچ کی حیثیت
سے مختلف جرائد شائع ہوئے اور اب بھي شائع ہو رہی ہیں
لیکن خود اودھ پنچ کے رنگ کو اس میں سے ایک بھي
نہیں پہنچ سکا -

منشي محمد سجاد حسین صاحب مرحوم نے سنہ ١٨٧٨ع
میں اودھ پنچ کا اجرا کیا - اس وقت سیاسي مسائل نسبتاً
کچھہ زیادہ جاذب توجہ نہ تھے ' اگر تھے بھي تو ایسے نہیں کہ
ان کي اصلاح یا ان کا احتساب مقصود بالذات ہوتا - ان پر اظہار
خیال کیا بھی جاتا تو محض سرسري طور پر وہ بھي تفریحاً
جو مسائل اس وقت منشی صاحب مرحوم اور ان کے رفقائے کار کے
پیش نظر تھے وہ بڑی حد تک معاشرتی یا مقامي تھے - مولوي
سید محمد آزاد یا اکبر حسین صاحب اکبر کي طنز اور ظرافت
کی آماجگاہ حکومت اور سیاست نہیں بلکہ مغرب اور مغربیت تھي -

بدنصیبي سے منشی سجاد حسین مرحوم فالج میں مبتلا ہوئے
لیکن یہ کلفت جسمانی ان کي ہمت مردانہ اور شگفتگي طبع

کو مضمحل نکر سکی اودھ پنچ نکلتا رھا ، فالج کا دوسرا دورا ھوا ، قلمی معاونین کی صف بھی اب کہیں کہیں سے خالی ھونے لگی تی ، کچھہ جاں بحق ھو چکے تھے ، بقیہ حق بخشوا رھے تھے ، بچی کچھی صرف سجاد مرحوم کی وضعداری رہ گئی تھی جو بالاخر ان کی زندگی اور ان کی تمام ملک و معشیت کے ساتھہ ختم ھو گئی اور اس طرح سنہ ۱۹۱۳ میں اودھ پنچ بند ھوگیا ۔

دو سال بعد سنہ ۱۹۱۵ع میں حکیم شیخ محمد ممتاز حسین صاحب نے (جنکے والد لکھنؤ کے تعلقہ داروں میں سے تھے) اودھ پنچ کو دوبارہ زندہ کرنے کا عزم کیا ۔ حکیم صاحب موصوف ریڈ کرسچین کالج میں اردو شارٹ ھینڈ (مختصر نویسی) کے پروفیسر تھے اور اب اودھ پنچ کے اڈیٹر ھیں مولانا جسٹس کرامت حسین صاحب مرحوم کے مشورہ سے ممتاز حسین صاحب نے سنہ ۱۹۱۶ع میں اودھ پنچ کو نئے سر سے شائع کیا اور اب تک ملک و ملت اور زبان کیخدمت میں مصروف و منہمک ھیں ۔

موجودہ عہد میں اودھ پنچ کا روّیہ بحیثیت مجموعی حسب ذیل مقاصد کا ترجمان ھے ،

۱ ۔ بد اخلاق اور بد مزاق کے سوانح ذاتیہ سے قطع نظر عام بداخلاقی اور بد مزاقی کی ھجو کیجائے ۔

۲ ۔ آزادئی مُلک ۔ لیکن لب و لہجہ اشتعال انگیز ھونے کے بجائے ظرافت خیز ھو ۔

۳ ۔ صحت اور سلاست زبان

۴ ۔ علمی اور فلسفیانہ مضامین کو بھی فروغ دیا جائے بشرطیکہ شگفتگی اور ظرافت کا عنصر نمایاں طور پر غالب ھو ۔

٥ - مضحک تصاویر (کارٹون) سے طنز اور ظرافت کا اظہار اور اُسکي اشاعت -

اودھ پنچ کے دور اول کے مشہورترین مضمون نگار سرشار ، اکبر اور آزاد تھے ، موجودہ عہد میں سید مقبول حسین صاحب ظریف اُسکے بہترین علمبردار ھیں - اودھ پنچ کے دوسرے مضمون نگار اپنے نام کي اشاعت گوارا نہیں کرتے - ممکن ھے یہ طریقہ کار بربنائے مصلحت مناسب یا ضروري ھو لیکن اُردو کي تاریخ مرتب کرنے والے نیز اُردو کے آئندہ انشاپردازوں کیلئے یہ "مصلحت" غیر مفید اور تکلیف دہ ثابت ھوگي - اسکی تلافی کی اگر کوئی ممکن اور معقول صورت ھوسکتي ھے تو صرف یہ کہ اودھ پنچ کے منتخب اور ٹکسالی مضامین کا مجموعہ کتابي شکل میں وقتاً فوقتاً شائع ھوتا رھے -

اودھ پنچ کي سب سے نمایاں خصوصیت کارٹونوں کا شائع کرنا ھے - طنز اور ظرافت کا یہ پھلو اُردو میں کمیاب بلکہ نایاب تھا - اودھ پنچ کے بعض کارٹون اپنی ندرت اور جامعیت کے اعتبار سے یورپین صحائف کے بعض بہترین کارٹونوں سے لگا کھاتے ھیں -

بعضوں کا خیال ھے کہ "پنچیانہ ظرافت" اکثر ذوق سلیم پر بار ھوتي ھے - پنچ میں لکھنے والے اکثر حد اعتدال سے گذر جاتے ھیں - ان کا مقصد طنز اور ظرافت کے بجائے "تھکا فضیحت" ھوتا ھے اور اس طور پر پنچ کے ذریعہ سے سوقیانہ ظرافت اور بازاري پھکڑ کو بے جا فروغ حاصل ھوتا ھے وغیرہ وغیرہ -

ممکن ھے یہ فرد جرم اودھ پنچ یا کسي اور پنچ پر کامیابي کے ساتھہ لگائي جا سکے لیکن یہ کہنا کلیةً صحیح نہیں ھے کہ

پنچ اس قسم کے پھکڑ یا فحاشی کو اپنا نصب العین سمجھتا ھے - پنچ کا وسیلہ پھکڑ یا فحاشی ھو سکتا ھے مقصد ھرگز نہیں ھوتا - پنچ کا مقصد عالمانہ اور فلسفیانہ ظرافت کی نشر و اشاعت نہیں ھوتا - اس کے یہ معنی نہیں ھیں وہ تبسم نہیں صرف قہقہہ کا قائل ھوتا ھے - اور اسمیں بھی شک نہیں وہ تبسم سے زیادہ قہقہہ کا قائل ھوتا ھے اب رھا یہ مسئلہ کہ یہ قہقہہ پھکڑ یا فحاشی کا محتاج ھوتا ھے یا کوئی سنجیدہ ظرافت بھی اس کی محرک یا معین ھو سکتی ھے تو اس سے کون انکار کر سکتا ھے کہ فی الحقیقت متبسم ھونے یا قہقہہ لگانے کا انحصار نفس ظرافت پر اتنا نہیں ھے جتنا خود متبسم ھونے یا قہقہہ لگانے والے کی افتاد طبع پر - یہ بھی ممکن ھے کہ اس کا تعلق نفس ظرافت سے ھو بنا بر آں خود ظرافت کو معقول اور مہذب ھونا چاھئے یہ اور بات ھے کہ اس پر کوئی قہقہہ لگائے یا متبسم ھو -

لیکن یہاں سوال پیدا ھوتا ھے کہ "معقول" اور "مہذب" کا معیار کیا ھے اور آیا پنچ اس کا پابند ھے یا نہیں - سرسری طور پر اس کا جواب یہ ھو سکتا ھے کہ معقول اور مہذب کا معیار وھی ھے جو معقول اور مہذب لوگوں کا شعار ھو - لیکن سوال کا دوسرا حصہ یعنی آیا پنچ کو اس کا پابند ھونا چاھئے یا نہیں، کسی قدر پیچیدہ ھے - بظاھر یہ جواب دیا جاسکتا ھے کہ پنچ کو یقیناً اس کا پابند ھونا چاھئے -

یہاں اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنچ کا مفہوم خود "عام پسندی" سے وابستہ ھے - لیکن خرابی یہ ھے کہ یہی "عام پسندی" اکثر گر کر "عوام پسندی" کے حدود

تک پہنچ جاتي هے - ظاہر هے جس تحریک کا مقصد
"عام پسندی" ہوگا وہ "عوام پسندي پر" ختم ہوگا - پنچ
بالعموم اپنا مخاطب عوام کو سمجھتا هے ، ممکن هے پنچ
کو اس سے انکار ہو لیکن خود عوام اس سے کبھي انکار نہ کرینگے -
یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پنچ بعض
پیچیدہ نکتے ، دقیق مسائل ، اور پر لطف اشارات کو اکثر
ایسے انداز سے پیش کرتا هے کہ عوام اس کو سمجھہ سکیں یا
نہیں لیکن اس پر سر دھننے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں - تاہم
یہ فن یا طریقۂ کار اپنے مقاصد کے اعتبار سے کتنا هي مستحسن
کیوں نہ ہو حد درجہ نازک اور خطرناک هے - اکثر ایسا ہوتا هے کہ اس
کوشش میں قطعاً ناکامیابي ہوتي هے اور پنچ کي ظرافت سرقیانہ
اور بازاري ہو جاني هے -

"عام پسند" یا "خاص پسند" کا مسئلہ نازک اور
مشکل هے - سیاسي اور معاشرتي مسائل کي اہمیت ممکن هے
"عام پسندی" سے وابستہ ہو لیکن جہاں تک اس کا تعلق
طنز و ظرافت کے فن یا مذاق سلیم سے هے یہ کہنے میں تامل
نہیں کیا جا سکتا کہ طنز اور ظرافت کو ہر حال میں ٹکسالي
ہونا چاهئے - عوام کے مذاق کو بھي ' خواص ' کے سطح پر لانے
کي کوشش کرنا چاهئے - اس کوشش کا سب سے پہلا اور سب
سے قوي اثر یہ ہوگا کہ ظرافت کي سطح مائل بہ پستی ہونے
کے بجائے ہمیشہ مائل بہ عروج رهیگي - یہ چیز نہایت ضروري
هے اور ظاہر هے اس مقصد کي کامیابي میں پنچ کي خدمات
سے ہمیشہ رجوع کرنا پڑے گا -

پست اور سستے قسم کي ظرافت کي اشاعت کا جرم اودہ پنچ

پر عائد ہوتا ہو یا نہ ہو ، پنچ پر یہ پورے طور پر عائد ہوتا ہے اور یہاں بقول ہمارے ایک دوست پنچ کے " شامل میں " وہ تمام اخبارات اور رسائل آجاتے ہیں جو اکثر پتنگی کاغذ پر شائع ہوتے ہیں اور جنکا سر ورق اڈیٹر اور اڈیٹوریل اسٹاف کي " قلمي تصاویر سے مزین " ہوتا ہے - پنچ کے نام و نسبت سے بہار ، ممالک متحدہ ، دکن وغیرہ میں اکثر صحائف شائع ہوتے ہیں - ان سب کے مخاطب عوام ہوتے ہیں اور ان کي ظرافت بھي بازاري ہوتی ہے - یہ سب اپنی ابتدا اور ارتقا کے اعتبار سے اودہ پنچ کے تابعین اور تبع تابعین میں سے ہیں لیکن ان کو اپنے مورث یا مرشد سے وھي نسبت ہے جو آج کل کے پیر پیشواؤں کو قدیم اکابر دین سے ہے - حسن و عشق کو جتنا طوائفوں اور شاعروں نے بدنام کیا ہے اس سے کچھہ سوا ھي طنز اور ظرافت کو پنچ اور...... (یہ الفاظ اصل مسودہ میں صاف پڑھے نہیں گئے ! رشید) نے رسوا کیا ہے -

اودہ پنچ کی روایات کی ابتدا منشي سجاد حسین کي بے باک صداقت اور بے لاگ ظرافت سے ہوئي اور اب اس کي تکمیل کي ذمہ‌داري حکیم شیخ ممتاز حسن صاحب کے سپرد ہے اور یہ اودہ پنچ کي انتہائي خوش نصیبي ہے - حکیم صاحب کي علمي قابلیت اور ہمہ‌دانی مسلم ہے - راقم‌السطور نے ان کو قدیم وضعداري اور جدید روشن خیالی کا ایک متوازن پیکر پایا - لیکن اس کے ساتھہ ساتھہ اس کي بھي قسم نہیں کھائي جا سکتي کہ وہ طنز اور ظرافت کے فلسفہ اخلاق کے بھی ماہر ہیں - اودہ پنچ میں اکثر مضامین ایسے بھي پائے گئے ہیں جن کو شائع نہ کرنا بہتر تھا جن کي ظرافت مشتبہ اور دل آزارانہ تنقید مسلم تھي

اودھ پنچ کو کسی مخصوص جماعت کے مسلک و مشرب کے خلاف اپنی طنز یا ظرافت کی خواہ مخواہ یا مسلسل اشاعت نہ کرنی چاہئے ۔ طنز و ظرافت کا شمار دنیا کے بعض مہلک ترین اسلحہ‌جات میں ہوتا ہے ۔ اس کے استعمال کا منصب ہر وقت ہر سپاہی یا پیادہ کو نہ ہونا چاہئے بلکہ سپہ‌سالار کی خاص اجازت پر اور اسکی براہ‌راست نگرانی میں اس کو بروئے کار لانا چاہئے ۔

اگر اکبر سرشار اور آزاد قدیم اودھ پنچ کے آوردوں میں سے تھے تو اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سید مقبول حسن ظریف جدید اودھ پنچ کے چشم و چراغ ہیں ۔ جہاں تک معلوم ہوسکا ہے ' سید صاحب ظریف شاعر ہیں ۔

راقم‌السطور کی نظر سے ظریف صاحب کا کوئی ایسا مضمون نہیں گذرا جو نثر میں ہو ۔ ممکن ہے ظریف صاحب نے نثر میں بھی ظرافت نگاری کی ہو لیکن اس کو قبول عام نصیب نہیں ہوا ۔ ظریف صاحب کی ظرافت بالعموم "زبان" اور "بیان" سے وابستہ ہوتی ہے ۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ واقعات اور حالات پر ان کی نظر نہیں ہوتی ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی زبان اور ان کا بیان اس درجہ بے ساختہ اور لطیف ہوتا ہے کہ سننے اور پڑھنے والا بےاختیار ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔ موجودہ دور میں ظرافت‌نگار شاعر کی حیثیت سے ظریف صاحب کا پایہ اپنے معاصرین سے بہت بلند ہے ۔

راقم‌السطور کا خیال ہے کہ ظریف صاحب کو تمثیل‌نگاری (ڈرامہ) کی طرف توجہ کرنا چاہئے ۔ اس میں شک نہیں کہ تمثیل‌نگار کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ظریف صاحب میں غالباً بدرجہ اتم موجود نہیں ہے یعنی وہ انسانی فطرت اور معاشرت کی نزاکت اور حقائق سے پورے طور پر آشنا نہیں معلوم ہوتے ۔ تاہم اس

سلسلہ میں جہاں تک زور بیان یا لطف بیان کا تعلق ہے اور یہ عنصر بھی کچھہ کم وقیع نہیں ہے وہ اس فن کے امام ہیں -

ظریف صاحب کی ایک مشہور نظم یہاں ہدیہ ناظرین ہے - گنجائش نہ ہونے کے سبب سے صرف اسی نظم پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ اس کے علاوہ سید صاحب کی دیگر نظمیں بھی کچھہ کم قابل اعتنا نہیں ہیں - اس سلسلہ میں ناظرین کی توجہ ظریف صاحب کی مشہور منظوم سیاحت ' سیاحت عراق کی طرف بھی مبذول کرائی جاتی ہے جو اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اُردو ادب میں نہایت وقیع حیثیت رکھتی ہے -

---

شامت الکشن

(مُسدس)

واہ بی میونسپلٹی جان ' کیا کہنا ترا
تو چچی لیلیٰ کی ' عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خودداری کو کھو کر تجھہ پہ جو شیدا ہوا
بے خودی میں یہ زبانِ حال سے کہتے سنا
بسکہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشق میونسپلٹی را حیا درکار نیست

تیرا خواهشمند ' ہر قید لیاقت سے بری
جس کا جی چاہے لڑے اور لڑکے لے لے ممبری
عہد آزادی نے ایسی ڈال دی ہے ابتری
اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسری

تجھکو کیا ذلت ہے کوئی یا کہ ذلت باز ہے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ہے
جمع کردے قرض ہی لیکر ضمانت کے پچاس
دور ہوتی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس
ووٹروں کے ہاتھ جوڑے خوب ہو کر بدحواس
گڑ گڑا کر ہر کس و ناکس سے ہو یہ التماس
رہن پرچے کے عوض عزت میری کر لیجئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھکو دیجئے

سنئے اک صاحب کا قصہ جب ہوئی شامت سوار
یہ ضمانت کرکے داخل بن گئے اُمید وار
چھوڑا پیشہ ، ترک فرمایا جو کچھہ تھا کار بار
کچھہ اثاث‌البیت بیچا کچھہ لیا سودی اُدھار
مضطرب رہتے تھے یہ نام آوری کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے
سب سے پہلے ان کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا
شیخ بدھو نام تھا اور تھا جولاھا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہلے تنا بیٹھا ہوا
اک سڑا مٹی کا حقا پی رہا تھا کج ادا
جاتے ہی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
منھہ کو تیڑھا کر کے بولا '' کو ہے بالیکم سلام ''
کون
بولے یہ پہلے نہ آیا میں ، ہوا اتنا قصور
شیخ بدھو آپ مجبہر رحم فرمائیں حضور

آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائي اب سے دور
میں بھتیجا آپ کا ھوں ووٹ لے لونگا ضرور

بولے بدھو کا کھیو ھم کھہ کا کھہ کا بوت دے ئي
کیا کہا کس کو کس کو ووٹ دیں

بوٹ پھینئے او جو ترتے ھم کا دس کا لوت دے ئی
ووٹ پائے گا وہ جلد
نوت

ساس یہ میڈا سپٹی ھے نہ جانے کیا بلا
کون بلا

اور تم لمبر جو ھوے جیھو تو ھمرا پھائدا ؟
ممبر
فائدہ

ھم کبوں تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا
کبھي
کو

آوُتے ھی آوت بنایو بن نہک ھم کا چچا
آتے ھي آتے
ناحق

ھوئے گوا ھسیار بڑھو آ تم چلے ھو چوت دے ؟
ھشیار
دینے

کان پکڑا ھم نہ جاؤب اب گھو کا ووٹ دے
کسي کو

ھم یہے نریا پہ اک دن بیٹھہ کے موتا جرا
اسي نالي
ذرا

کا کہي ھو جھٹ دے چالان ھمرا ھوئے گوا
ھو گیا
سے

جب کوؤ ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا بھوا
کوئي
کیا ھوا

ھم کچھري ماں مجھٹر سے اُجرداري کیا
میں مجسٹریٹ عذر داري

مکدما جھوٹا ھے صاحب ھم ماں یہہ بوتا نہیں
مقدمہ
قوت

سچ کہي میڈا سپٹي پر کبہو موتا نہیں
مینوسپلٹی
کبھي

جب سرتے دار بولا لا ہوے کونو گواہ
سرشتہ دار کوئي

ہم کہا سسرا جمادروا کہس ہم کا تباہ
جمعدار

ہم جولاھا آپ کے اور آپ تھرے بادساہ

کون کہہ کے سامنے موتت ھے صاحب واہ واہ
کس کے موتتا ھے

ھنس کے کہہ دیئس مجھٹر سیکھہ جی جاؤ بری
کہہ دیا شیخ جي

رہ گئي منھہ باے کے سب لمبرن کی لمبري
کھول کے مبري

سن لیہو ساري کتھا ؟ دے ہو کہ ناھیں یہ بتاؤ ؟

بوت ماتگے آئے ہو ھم سے تو ھم کا کچھہ دلاؤ

کے چکن بکواس اب بھیا نہ ھمرا موڑ کھاؤ
کرچکے سر

کہہ دیا بس کہہ دیا ھم جاؤ چُپے گھر کا جاؤ
چپ

جو رکم تم سے کہا سب پیسگی لے لیب ھم
رقم پیشگي لے لینگے

بوت دے موٹر پہ لے جھیو تو ھاں دے دیب ھم
دینی لے جاؤ گے دیدینگے

جب میاں بدھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے

دھنے بائیں دیکھہ جھٹ قدموں پہ آکر گر پڑے

دل میں پچھتاے کہ آخر کیوں ہوئے تھے ھم کھڑے

کہئے ایسے جاھلوں سے کیا کوئی کشتي لڑے

آبرو کے ساتھہ دے کر '' پانچ '' راضي کر لیا

کامیابي پر ہوئے خوش تاؤ موچھوں پر دیا

آگے بڑھکر ایک حضرت کا ھوا پھر سامنا
اُن سے جاکر اس طرح کی عرض باصد التجا
بندہ پرور ایک مذھب ہے ھمارا آپ کا
ووٹ دیجئے گا جو مجھکو آپ خوش ھوگا خدا
ھیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذھب کے خلاف
دیکھے ممبر ذرا ھو لوں تو کر دوں سب کو صاف
مہتر اُن کے درپہ جھاڑو دینے آئے کیا مجال ؟
اور سقا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
ٹیکس گھروارے کا اُنپر بندھہ نہ جائے کیا مجال
لے لیں بمبا گھر میں بے میٹر لگائے کیا مجال
ناچ تگنی کا اُنھیں اب میں نچاؤنگا حضور
دیکھئے کس کس طرح اُن کو ستاؤنگا حضور
خوش ھوے سن کر جناب مولوئ مکتبي
ھاتھہ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کي
آپ اُس کے اہل ھیں میري نظر میں واقعي
ذات سامی کو سمجھتا ھوں میں فخر ممبري
محترم ! میں وعدہ قبل از وقت کرسکتا نہیں
فرض ہے اِیفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں
اس میں اک اشکال شرعي اور بھی ہے کیا کہوں
میں اعانت آپ کي بالفرض قرطاساً کروں
راے تو اپني ھے کیوں عوض کچھہ بھي نہ لوں
کیوں بدا ضائع کروں کس واسطے ممبر بنوں
جانتا ھوں یہ بھي میري راے ہے کتني وقیع
مفت ضائع کیوں کروں جب میں نہیں ھوں مستطیع

حسب خواہش گر بدل مجھکو عطا کردیں جناب
کیا عجب پیش خدا ماجور بھي ھوں اور مثاب
میں نے دکھلا دي حدود شرع میں راہ صواب
میرے معروضات کو فرمائے گر مستجاب
رائے دے دینے میں احقر کو تامل کچھہ نہ ھو
خود کروں تعجیل حتماً پھر تساہل کچھہ نہ ھو
رائے دیدوں گا عوض میں آپکو '' خمسین " کے
اتنے ھي ملتے ھیں مجھکو وعظ کے تلقین کے
حضرت والا تو کچھہ پابند ھیں آئین کے
اس سے کم دینا مرادف ھے مري توھین کے
ھاں یہ ممکن ھے کہ کچھہ تقلیل فرما دیجیے
ھے یہ کار خیر آب تعجیل فرما دیجئے
خلّص احباب سے کیوں استشارہ کیجئے
راز پوشیدہ رھے کیوں آشکارا کیجئے
سب سے اچھا ھے ذرا زحمت گوارا کیجئے
لیجئے تسبیح مجھہ سے استخارا کیجئے
عرض کي ھے میں نے جو اتني رقم پر دیکھئے
ملع جب آئے تو پھر کچھہ اُس سے کم پر دیکھئے
یہ نہایت کائیں تھے دل میں بولے سوچ کے
شکل تو اچھي ھے پر زیبا نہیں میرے لئے
استخارہ میں کروں کیا آپ کے ھوتے ھوئے
کرتا ھوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھئے
نیت ان کے دل میں تھی تسبیح اُن کے ھاتھہ میں
چوھا اپني گھات میں تھا بلی اپني گھات میں

مقطع آیا استخارہ چھوٹتے ہي پہلي بار
مولوی صاحب کے چہرے پر ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا واجب آیا ہو گئے بے اختیار
پوچھا نیت کس قدر پر کي تھي بھر خاکسار
بولے نیت دس پہ کي تھي لیجئے بندہ نواز
کامیابي کي دعا فرمائیے بعد از نماز
اس جگہ سے اٹھہ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے
دس برس ناکام رہنے پر ہوے تھے جو بي اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھي تھے چلتے ہوئے
آپ کي تنخواہ تو کم تھات تھے لیکن بڑے
انگلش استائل پہ رہنے کا جو ان کو شوق تھا
بوت بیڑي پاؤں کي کالر گلے کا طوق تھا
پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اِس سامان سے
او فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹي پھوٹی کرسیاں لے کر کسي دوکان سے
بیٹھتے تھے اُن پہ چھپر میں نہایت شان سے
نام اک تختي پہ لکھہ رکھا تھا یوں بھر وقار
'' مسٹر ابراھام '' بي اے - ٹی ٹی سي ' اِي آئی آر
دیکھہ کر صورت کو ان کي اس طرح کہنے لگے
'' آئی ایم ویري بزي میک ھسیٹ جلدی بولئے ''
پھر ادھر تہلے اُدھر تہلے گھڑی کو دیکھہ کے
اپنے کتے سے کہا کم سون '' ان سے '' گواوے ''
پھر کہا یو آر کنڈیڈیٹ بٹ نو بولڈ مین
تم کو اپني ووٹ کیسے ڈیگا صاحب اولڈ مین !

چونکہ کنڈیڈیٹ انگریزی سمجھتے ہی نہ تھے
گڑ گڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے
یہ تو ممکن ہی نہیں ہے آپ پیدل جائیے
میں نے موٹر مانگ لی ہے آپ ہی کے واسطے
اور کیوں کر اس طرح چلئے گا دیجئے مجھکو ووٹ
کھیجے پاکٹ بک پہ تاریخ الکشن جلد نوٹ

بات انگریزی نما اردو میں یوں صاحب نے کی
ہم کہا انگلش میں تم سمجھا نہیں ''او آئی سی''
ڈیکھو اپنی ووٹ رکھنی مانگتا ہے ہم فری
کس کو ڈے گا پہلے بتلانے نہیں سکتا کبھی
ہام ستی فادر نہیں تم کو بلانے مانگتا
ہم
ڈیم پھر موٹر پہ ہم کاہے کو جانے مانگتا

ہو کے یہ مایوس جب پلٹے وہاں سے منھ بنائے
دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ہے ہائے
سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی دے تو پائے
اب بجز اس کے کوئی صورت نہیں بنتی بنائے
فیس دے کر نرس اک بھر سفارش لاؤنگا
چل گیا چکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤنگا

پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں
گھس پڑے یہ اک بز قصاب کی دوکان میں
نثر میں پڑھکر قصیدہ پہلے اُس کی شان میں
چاہتے تھے یہ کہیں کچھہ شیخ جی کے کان میں
یوں کلوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنئے حجرت ہم لگی لپٹی نہیں رکھتے جرا
حضرت ذرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیا سکور
سیکھ مُنّے جسکو کہہ دیں بوت دیدیدا جرور
ضرور

پر مناھي کر گئے جب مولبي عبدل گفور
رافجي کو بوت دے سکتے نہیں ہم تو حجور
رافضی حضور

سنتے ھیں '' کرآن '' میں پھرما گئے تھے کھود رسول
قرآن فرما خود
دین کي جب بات تھري دکھل دینا ہے پھجول
دخل فضول

حاجی کطب‌الدین بھي کہتے تھے سچي ہے یہ بات
گیر مجھب والے کو لمبر بنانا باھیات
غیر مذھب ممبر واھیات
سیکھ جي مجھب تمہارا اور اُن کی اور جات
ذات
ھو کے ممبر وہ کھدا جانے کریں کیا واردات
خدا

ھاں کوئي مجھب کا اپنے ھو تو اُس کو بوت دو
جب تمھیں موکا ملے ایسوں کو بھیا چوت دو
موقع

ان کو بز قصاب نے جب دے دیا سوکھا جواب
یہ اُتھے دوکان سے مایوس باچشم پُرآب
اپنے ورکر سے کہا جا کر کہ سنئے تو جناب
آپ ھي تدبیر اب کچھہ کیجئے اسکي شتاب
صرف کی پروا نہیں جو ھو مناسب کیجئے
شیخ جي کے ووت کو لیکن نہ جانے دیجئے

دل میں ورکر خوش ہوے کہنے لگے باصد سرور
اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیے حضور
اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور
تو سہی جب آپ ہی کر ووٹ دیں عبدالشکور
پیر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم اُن کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی
پیر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ دار
آنکھہ میں سرمہ کئی رتی ، گلے میں چند ہار
ریش اقدس پان کے دھبوں سے رشک لالہ زار
گیروا کرتا گلے میں ہاتھہ میں اک پشت خار
زرد تہمد پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یونہیں شہر شہر اور گاؤں
پھونچے ورکر اُن کی خدمت میں بہ تعجیل تمام
دو روپیہ نذرانے کے دے کر کیا جھک کے سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام
شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجئے بس ہے یہ کام
چونکہ ہیں حضرت کی بعیت میں میاں عبدالشکور
آپ فرمادیں اگر تو ووٹ دیدیں گے ضرور
آپ کی دعوت کا کل گھر پر کرونگا انتظام
شیخ جی کو بھی بلالونگا وہیں پر وقت شام
تذکرہ ، میں ووٹ کا چھیڑونگا مابین الطعام
آپ ان کو حکم دیدنگے تو ہو جائےگا کام
بولے لوٹن شاہ بابا خوش رہو ! دعوت قبول ؟؟
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

مختصر سے ابتدائی واقعے جو کچھہ لکھے
کیا عجب کافی ہوں، یہ پبلک کی عبرت کے لئے
اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے
کہیے اس میونسپلٹی سے کسے راحت ملے
ساکنان شہر اب ہشیار ہونا چاہئے
ممبر اور ووٹر کا کچھہ معیار ہونا چاہئے

فتنہ و عطر فتنہ اور حضرت ریاض خیرآبادی

منشی سجاد حسین مرحوم کا اودھ پنچ جس زمانے میں اپنے پورے شباب پر تھا اُسی زمانہ میں سید ریاض احمد ریاض (خیرآبادی) کا ریاض الاخبار گورکھپور سے نکل رہا تھا - فتنہ و عطر فتنہ بھی ریاض الاخبار کے ساتھہ نکلا کرتے تھے ، فتنہ اپنے نام کے لحاظ سے فتنہ ہی تھا ، پوسٹ کارڈ سائز سے بھی کم ، ۱۶ صفحہ کی بساط ہی کیا ہے ، مگر جس شوخی اور جس لطیف طنز کے نمونے اس میں پائے جاتے ہیں ، اُس زمانے کے لحاظ سے اس کی جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے ، فتنہ '' کل قصیرٍ فتنہ '' کا مصداق تھا اور ہر بزم ادب میں نہایت شوق سے پڑھا جاتا تھا ، حضرت ریاض ہی کا شعر ہے :—

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھہ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

'' فتنہ '' میں مختصر نثر کے شوخ اور ظریفانہ مضامین ہوتے تھے اور عطر فتنہ میں اُس زمانے کے شعرا کا منتخب کلام شایع ہوتا تھا - حضرت ریاض نے جب ریاض الاخبار حکیم برحم

مرحوم کے سپرد کیا تو اُنہی کے ساتھہ فتنہ و عطر فتنہ بھی حکیم صاحب مرحوم کو دیدیا ' حکیم صاحب نے کچھہ دنوں کے بعد ریاض الاخبار بند کر کے " مشرق " نکلا اور فتنہ و عطر فتنہ کو چند دنوں تک جاری رکھا ' فتنہ کے خاص لکھنے والوں میں خود حکیم برهم مرحوم ' علي اصغر آزاد چشتي اور ع - ک آزاد مرحوم تھے -- ان مضامین میں زیادہ تر مقامي رنگ اور شباب و لذت نظر کا مظاهرہ هوتا تھا - مگر لطافت مذاق کا دامن کہیں سے چھتتا نہ تھا - حضرت ریاض خیرآبادي کي شاعري جس خصوصیت کی حامل ھے اس کي صحیح مثال اگر دیکھنا ہو تو فتنہ و عطر فتنہ کو دیکھنا چاهئے - ان کي شاعري حسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ ' رندانہ شوخی ' اور سوسائٹي کي زندہ دلي کا مظاہرہ ھے ' فتنہ و عطر فتنہ کے اوراق بھي پورے پورے طور پر انھیں چیزوں کے حامل تھے ' اپنے اختصار ظاهري اور هیئت تعویذي کی مناسبت سے فتنہ کے مضامیں بھی فقرے ' جملے اور چٹکلوں سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے لیکن اُن میں تیزي اور نشتریت بلا کي تھي ' شاید اس سے زائد تفصیل و طوالت فتنہ و عطر فتنہ کے قد و قامت کو پیش نظر رکھکر ' مناسب نہ ہو ' لیکن اس کے روح رواں حضرت ریاض خیرآبادي کے شوخ و رندانہ کلام کے کچھہ نمونے یہاں پیش کر دینا غالباً بےموقع نہ ہو - حضرت ریاض کي شاعري مجموعي طور پر ایک منفرد حیثیت رکھتي ھے خمریات کے سلسلے میں ان کي شوخي و رندی کی لَے جہاں جہاں ذرا اونچی ہو گئی ھے وهاں طنز و

ظرافت کا بھی بہترین نمونہ بن گئی ہے - اس طرح کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :—

اس طرح کل طرفِ میکدہ جاتے تھے ریاض
ایک عصا تھامے ، عبا پہنے عمامہ باندھے

——

زمزمی سے جام مے میں گر پڑا پانی سوا
میری قسمت کی جو تھی وہ آج سب پانی ہوئی

——

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

——

تا میکدہ ریاض کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

——

سر بزم واعظ سے دبنا پڑا
وہ خُم سے سوا تھا تن و توش میں

——

ادب سے پی نہیں سکتا ہوں بےاجازت شیخ
ذرا یہ سر جو ہلاوے ابھی سبو آئے

——

مچی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دوکان سے آج

——

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو مےخانہ میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھہ رہے یاد خدا میں

——

وہ بیٹھے ریاض آج تو کچھہ جھوم رہے ہیں
اب یہ بھی گنے جاتے ہیں مردان خدا میں

عمر بھر ساتھہ فرشتوں کے نباهی کیسی
دیکھنا یہ ہے کہ دیتے ہیں گواهی کیسی

——

ہماری نظر شیخ پر حشر میں تھی
وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

——

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے

——

ہمیں چ‌ت کوثر کی دی واعظوں نے
ملے ہم کو پیرِ مغاں کیسے کیسے

——

گُناہ اور اس پر فرشتے بھی دو دو
مرے سر ہیں بار گراں کیسے کیسے

——

اٹھے لئے کہ آؤ بھگت میکدے میں ہو
پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

——

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے
واعظ کو کچھہ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنت میں ہمیں ناصحِ مغفور ملے

اُتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا
طاق حرم سے. شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

دست شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض
بیٹھہ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

سلطان حیدر جوش (علیگ) کی طنز میں فلسفیانہ ظرافت اور ظرافت میں فلسفیانہ طنز کا دلنشین عنصر بہت نمایاں ہے - اس قسم کی ظرافت اور طنز کی ابتدا ، اردو ادب میں ، کسی نہ کسی حد تک ، سلطان حیدر صاحب ہی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے - جوش غالباً پہلے لکھنے والے ہیں جنھوں نے اردو طنزیات اور مضحکات میں مغربی آب و رنگ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی - ان کی تحریر میں اسپیکٹیٹر کی نشتریت بھی کہیں کہیں نظر آجاتی ہے گو اسپیکٹیٹر کی رعنائی خیال ، پاکیزگی بیان ،

ژرف نگاهي ، ایجاز و اختصار اور بے ساختگي کا فقدان بھي ھے -
سلطان حیدر کھنه مشق انشاپرداز ھي نہیں بلکه پخته کار شخص
بھي ھیں - اُن کے خیالات میں بے ساختگي اور برجستگي کی
کمي کو اُن کا عمیق تجربه اور عمیق‌تر احساس ذمه‌داري پورا
کردیتا ھے - اُن کي تحریر میں غیرذمه‌دارانه فقرے بہت کم نظر
آئیں گے - یہه ان کي انشاپردازی کا ممکن ھے کمزور پہلو ھو لیکن
ان کي شخصیت کا طرۂ امتیاز یقیناً ھے -

مضامین کا جسته جسته نمونه حسب ذیل ھے :—

'' نئي دنیا نه کہیں ٹھہري ھے نه ٹھہرے گي - نئي روشني کا
انسان نه کسي حد پر پہونچ کر رکا ھے نه رکے گا ! وہ سب سے پہلے ایک
رقیق مادہ کی شکل میں ظاھر ھوئي - گردش میں اپني پہلي جگہه
سے شرارہ کي طرح علحدہ ھوئي اور کچھه فاصله پر قایم ھوکر خود
چکرانے لگي - پھر اس سے ایک، شرارہ نکل‌کر چاند بنا اور ؟ اور کیا وہ
ٹھنڈی ھوئی - اس پر ھواؤں کے طوفان آئے ، نامتناھی بارش کا سلسله
جاری ھوا - وہ سخت ھوئي ، اس پر چھلکا بنا ، دریا پیدا ھوئے ،
پہاڑ نظر آئے - درخت وجود میں آئے عجیب‌الخلقت مخلوق
اس پر حاوی رھی - مگر وہ برابر اپنا روپ بدلتي رھي ، بدل رھي ھے
اور بدلتي رھیگي - یعني انسان پروٹوپلازم کي ترقي‌یافته
صورت پہلے ایک مادہ تھا ، پھر اُس میں احساس پیدا ھوا ، پھر
نمو شروع ھوئي ، پھر حیوان بنا اور نئي نئي پوشاکیں پہنتا
ھوا بندر کے تمام مدارج طے کرکے انسانیت میں قدم‌زن ھوا
اور رھےگا - نه اُس کو قرار نه اُس کو چین - یہه بندر سے
انسان بننے والي مخلوق اب انسانیت کے مدارج طے کر رھي ھے
اُس کے بعد کوئي نہیں کہه سکتا که ترقي کے زینه میں کہاں

پہلنچے گي ! بہت ممکن ہے کہ وہ بندر جو خوش قسمتي سے اب تک انسان نہیں بنے ہیں ہنستے ہوں اور حضرت انسان کي کشمکش دیکھکر انسانیت کے نام سے کانوں پر ہاتھہ دھرتے ہوں - مگر یہہ ایک فیکٹ ہے اور اس سے انکار خدا کے وجود سے انکار سے زیادہ ناقابل معافي گناہ اور حماقت ہے !

باوا آدم کی اولاد انسان تو ہمیشہ سے انسان ھي ہے - انسان کے علاوہ کسي اور روپ میں نہ وہ کبھي جلوہ‌فگن ہوا اور نہ آئیندہ ہونے کي اُمید رکھتا ہے !

انسانیت کے دائرہ سے اس نے نہ کبھي قدم باہر رکھا نہ رکھے گا ! اس لئے وہ ایک خاص حد پر پہونچ کر قانع ہو جاتا ہے ، رک جاتا ہے اور اپنے مذہب یا عقیدہ کو اپني زندگی کے لئے بلکہ ہر ایک آنے والي نسل کي زندگي کے لئے کافي مان لیتا ہے - اس کا خاص خیالات سے تجاوز نہ کرنا کچھہ بھي تعجب نہیں - مذہب اس کو مانع ، خدا اس کو مانع ، لہذا وہ اپنے عقیدہ کے موافق جائز حدود سے تجاوز کبھي کسي زمانہ میں نہیں کرسکتا !

مگر پروتوپلازم سے بندر اور بندر سے انسان بننے والا ، بلکہ انسانیت سے گذر کر خدا جانے اور کیا کچھہ بننے کے لئے تیار انسان نہ کہیں تھرا ہے نہ تھہرنا چاھتا ہے ، نہ تھہرے گا - ترقي ایک لامحدود چیز ہے اور زمانہ برابر بڑھے جانے والی شے - خیالات تبدیل ہونے والي چیز اور تہذیب زمانہ کے موافق منقلب ! لہذا نئي روشنی کے انسانوں کے لئے کوئي روک نہیں ! یہ امید رکھنا کہ بغیر کسي عقیدہ مذہبی کے وہ خود بخود تہذیب کي حد سے نہ گذرے گا ،، اسي قدر لغو ہے جس قدر کہ مہمل........“

"سنسر"

"..........کل کے برخوردار آج کے پدر بزرگوار ہیں ! ہر چیز ترقي کے رنگ میں کینچلی اُتارتے رہنے کي عادي ہے سنسر کي شخصیت نے بھي زمانہ کے قدم بقدم چل کر حسب حاجت ہمیشہ نئے قالب اختیار کئے ہیں ! جس وقت سے اسکول اور نئی یونیورسٹي نے جنم لیا ' سنسر کی ذات نے بھي اس دائرہ میں شکل ممتحن میں جلوہ فرمایا - جس قدر تعلیم کي تیز روشني کے ساتھہ طلبا کي تعداد بڑھتي گئي اِسی نسبت سے جزو سنسري ممتحن کی ذات و صفات پر غالب آتا گیا - چنانچہ فی زمانہ اگر تعلیم اس حد پر پہنچ گئي ہے کہ قلی بھي انٹرنس پاس سے کم نہیں لیا جاتا ' تو ممتحن کا فعل قطع و برید بھی اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اگر سو لڑکے اِنٹرنس میں شامل ہوں تو ام اے پاس کرنے تک بلا مبالغہ صرف ایک ذات واحد رہ جائیگي اور اگر اس سے آگے قدم........بڑھایا گیا تو شاید سنسر تعلیم کي جوع قطع و برید کو سیر کرنے کے لئے فردوس بریں کے رہنے والے تعداد کو پورا کرنے کی خاطر طبقۂ اسفل کی طرف تشریف لیجاکر شریک امتحان ہونگے !

"..........ہر چیز کے لئے ایک خاص حد مقرر ہے اور جب کوئي چیز اپني حد مقررہ سے متجاوز ہو جاتي ہے تو ذات سنسر کی ذات قاطع ' موزوں شکل میں جلوہ گر ہو کر ضروری اصلاح کا فرض پورا کر دیتی ہے - انساني آبادي ہمیشہ رو بترقي ہے اس لئے جب کبھی اور جہاں کبھی یہ آبادی مردم‌شماري کے معین حدود سے بڑھ جاتی ہے فوراً حسب

رفتار ترقي اس کی قطع و برید ہو جاتي ہے! "حسب رفتار ترقي" سے یہ مطلب ہے کہ جس حصہ ملک میں دو افراد انساني کی باہمی کوشش سال بھر میں صرف ایک تیسرے وجود کو پیدا کر سکے وہاں سنسر کي روح محض وبائی موسمی رنگ میں تھوڑے سے اجسام کا قلع و قمع کرکے اعداد کي اصلاح کر دیتي ہے اور جس طبقہ مردم‌خیز میں ایک اور ایک ملکر گیارہ ہو جاتے ہوں وہاں سنسر کي ذات بھي جنگ تباہ‌کن کي شکل میں بلائے آسماني کي طرح نازل ہو کر درجن کے درجن لمحوں میں فنافي‌الحرب کر ڈالتي ہے......"

شوکت تھانوي اور ملا رموزي کا انداز تحریر تقریباً ملتا جلتا ہے - یہاں ملا رموزي کے اس رنگ سے بحث نہیں ہے جو انھوں نے ابتدا میں گلابی اُردو کے تحت میں اختیار کر رکھا تھا - گلابي اُردو کي تشریح نازش رضوی صاحب نے یوں کي ہے :

"گلابي اُردو میں ملا رموزی صاحب نے مشہور فارسی، عربی ضرب‌الامثال، اشعار اور مقولوں کے اُردو ترجمہ میں اپني اجتہاد و تصرف سے جو ندرت و شگفتگی پیدا کی ہے وہ ادبیات اُردو میں زعفران‌زار کي حیثیت حاصل کر چکی ہے -"

ملا رموزي نے وہ رنگ اب تقریباً ترک کر دیا ہے - ان کا موجودہ انداز تحریر اور موضوع ایک حد تک عام‌پسند اور عوام‌پسند دونوں ہے - شوکت تھانوي کے مضامین کا اُٹھان اور لب و لہجہ بھی ملا رموزی کي طرح قطعاً بازاري تو نہیں لیکن "روزمرہ" ضرور ہے - جزیات کے دونوں امام ہیں -

خوب سوجھتی ہے لیکن کہنے کا انداز بسا اوقات ضرورت سے زیادہ عُریاں اور بے جھجک ہوتا ہے - ملا رموزی کی اُردو میں شگفتگي اور برجستگي بھي ہے ' شوکت تھانوی کي تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صحیح اُردو لکھہ ضرور لیتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں ان کو کوشش بھي کرني پڑتي ہے - یوں سمجھہ لیجئے رموزي لکھتے ہیں اور چھپوا دیتے ہیں ' تھانوی سوچتے ہیں ' لکھتے ہیں ' مسودہ صاف کرتے ہیں اس کے بعد چھپواتے ہیں -

شوکت میں '' شگفتگي '' ضرور ہے لیکن ابھي '' شگفتہ نگاري '' پر پوري قدرت حاصل نہیں ہوئي ہے - اس کا سبب ممکن ہے یہ ہو کہ انہوں نے مطالعہ پر کافي وقت نہیں صرف کیا ہے ' لکھنا بغیر پڑھنے کے نہیں آتا ' اور پڑھنا بغیر لکھنے کے بےکار ہے - ملا رموزی کی تحریر میں اتنی پختگی ہے کہ آئندہ اس میں اصلاح یا ترقي کي گنجائش نہیں معلوم ہوتي ' شوکت میں ابھي ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں - یہي نہیں ' اگر وہ ترقي کي کوشش نہیں کرینگے تو بہت ممکن ہے ان کي شخصیت اور انشاپردازی دونوں خطرہ میں پڑ جائیں - ان کو ابھي سے خرمن جمع کرنے کي فکر دامنگیر معلوم ہوتی ہے حالانکہ ابھي اُن کي کھیتي لہلہانے بھي شروع نہیں ہوئی ہے -

شوکت تھانوی کے بعض مضامین کا مختصر نمونہ پیش کیا جاتا ہے -

''.........اس وقت تمام مہذب اقوام کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے کو مہذب ثابت کرنے کے لئے کتا ضرور همراہ رکھتي ہیں - کوئي جنٹلمین بغیر کتے کے کبھي مکمل جنٹلمین نہیں ہو سکتا - کوئي لیڈي بغیر کتا بغل میں دبائے کبھي لیڈی

نہیں ہوسکتی ، کوئی موٹر بغیر کتے کے موٹر نہیں ہوتا اور کوئی مکان بغیر کتے کے دولت‌خانہ نہیں ہوتا -

ہندوستانیوں کی جہالت پر تو خیر رونا آتا ہے لیکن یورپ اور امریکہ کی تہذیب ملاحظہ فرمائیے کہ وہاں ہر معزز آدمی کی شناخت صرف یہ ہے کہ اُس کے سر پر ، گود میں ، آگے پیچھے ، اِدھر یا اُدھر ایک ہانپتا ہوا زبان نکالے دُم ہلاتا ہوا کتا ضرور ہو اور اگر کسی مغربی آدمی کے ساتھہ کتا نہ ہو تو اس کے متعلق یہ بھی شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ آدمی بھی ہے یا نہیں اور اگر آدمی ہے تو یوں ہی سا ہے - مغربی خواتین کا یہ حال ہے کہ بغیر کتے کے ان کو لطف زندگی ہی نہیں حاصل ہوتا - جب تک ان کے نرم اور معطر آغوش میں ایک پلّا نہ دبا ہو وہ اپنے عدم اور وجود کو یکساں سمجھتی ہیں اور اگر پلّا دبا ہوا ہے تو اُس سے ایسی محبت کرتی ہیں کہ انسان اس پر رشک کرے - اُسے اس طرح چومتی چاٹتی اور دبوچتی ہیں کہ ان کے عشاق کتا بن‌کر نہ پیدا ہونے پر فطرت سے شاکی ہو جاتے ہیں یا کتا بن جانے کے لئے دست بدعا ہو جاتے ہیں ورنہ یہ بات تو اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ محبوبہ کے کتے کو موقع پاکر محبت سے اٹھا لینا ایک قسم کی " تقریب کچھہ تو بہر ملاقات چاہئے " ہوا کرتی ہے........

قدر سگ انگریز داند یا بداند اس کی میم "

"......اس ڈبے میں بیٹھنے کو تو بیٹھہ گئے لیکن دل بار بار یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سر کی ترکی ٹوپی ہیٹ بنجائے اور شیروانی ایک ایسا کوٹ جو پاجامے کو بھی پتلون

بتادیا کرتا ھے اس لئے کہ اس جسارت کے بعد یہ خوف تو بہرحال دل میں موجود تھا کہ کہیں اس تھرڈ کلاس کی جنت سے ہم کو ابن آدم سمجھکر نکال ندیا جائے یہ تو بہت آسان تھا کہ ہم وقتی طور پر بجائے مسلمان ہونے کے عیسائی بن جاتے لیکن اس لباس کا کوئی علاج ہمارے ذہن میں نہ تھا جو کبھی مذہب نہیں تبدیل کرتا - ہمارا خوف بیجا نہ تھا اور بیجا کس طرح ہوتا جب کہ ہم خود حق بجانب نہ تھے - نہ تو ہم انگلو انڈین تھے نہ صرف ' انگلو ' بلکہ محض " انڈین " تھے لہذا حق بجانب بھی نہیں ہو سکتے تھے - تھوڑی دیر کے بعد گارڈ نے ہم کو نکل جانے کا حکم دیا جس کو ہم نے اس طرح سنا گویا سمجھے نہیں اور وہ سمجھا کہ ہم سمجھہ گئے - مگر گاڑی کی روانگی سے دو منٹ قبل ہم کو پھر اردو زبان میں نکل جانے کے متعلق سمجھایا گیا جس کو ہم نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی - گارڈ صاحب نے بہت سے " کریو میں " ہم پر تعینات کئے کہ وہ ہم کو نکال دیں لیکن ہم نے اسمبلی کے تمام واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایسی مدلل بحث کی کہ گاڑی نے سیٹی دیدی - اس آخری وقت میں گارڈ صاحب کے دل میں تو نہیں معلوم کہ کونسا انتقامی جذبہ پیدا ہوا ہوگا لیکن انہوں نے کیا صرف وہ جو ہم لوگ خود اپنے بچپن میں کیا کرتے تھے یعنی ڈبہ میں داخل ہو کر روشنی گل کردی... میرے منہہ سے نکل گیا -

تو مشق ناز کر سارا اندھیرا میرے ڈبے میں -

اپنے بچے اور غالباً دوسروں کے والدین کو شاہکار کا مفہوم تلقین فرماتے ہیں -

"آج کا موضوع شاهکار هے - یه ایک لفظ هے جس کو تم انساني نام سمجهے - یه کسي انسان جانور جگه یا چیز کا نام نهیں هے - بلکه ایک لفظ هے جسکو انگریزي میں "ماسٹر پیس" Master piece کهتے هیں اور جس کا تهوڑا بهت مفهوم لفظ ' کارنامه ' سے ادا هوتا هے اس لفظ کے معني هیں کاموں کا بادشاه اس لئے که ' کار ' کهتے هیں کام کو اور اگر ' کار ' کے معنی موٹرکار لئے جائیں تو شاهکار کے معنی هونگے "مسٹر فورڈ" لیکن چونکه یهاں اُردو زبان کے لفظ کار سے بحث هے لهذا اس کار کے معني هیں کام اور جب اس میں شاه لگا دیا گیا تو یه هو گیا شاه کام یعني کاموں کا شاه - اس کو اس طرح سمجهو که مثلاً تمنے اپني مختصر زندگي میں سب سے بڑا کام یه کیا هے که اپنی هوائي بندوق سے فاخته مار ڈالی - اس فاخته کے شکار کو تم اپنا شاهکار کهه سکتے هو - اسی طرح میرے شاهکار تم خود هو ' مهاتما گاندهي کا شاهکار چرخه هے - مولانا محمد علي کے شاهکار مولانا شوکت علي هیں ' انگریزوں کا شاهکار کنگ پرائمر هے ' هندوستان کا شاهکار تاج محل هے ' تاج محل کا شاهکار مولانا سیماب هیں مولانا سیماب کے شاهکا ساغر نظامي یاراز چاند پوري هیں........"

مرزا عظیم بیگ چغتائي بحیثیت ایک ظرافت نگار کے اردو ادب میں "نوخیز" هیں - یهاں اُن کے مصنف هونے کي حیثیت معرض بحث میں نهیں هے - اس کا اعتراف نهایت بلند آهنگي کے ساتهه انهوں نے خود کیا هے جس کي داد نه دینا کم ظرفي بهي هے اور بدمذاقي بهی ' مثلاً فرماتے هیں '

"میں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں ۔ مصنف ہونا میرے لئے کوئی نئی بات نہیں جب نویں جماعت میں تھا تو " قصر صحرا " لکھی جب انٹرنس پاس کیا تو قصر صحرا کا حصہ دویم لکھا اور جب بی اے میں آیا تو موجودہ پردہ کی بدعت کے خلاف پبلک کے سامنے " قرآن اور پردہ " کو پیش کیا........مجھے کچھ اپنے طرز تحریر اور زبان کے بارہ میں بھی کہنا ہے - میرے تمام افسانے اوریجنل ہیں ، واقعات سے پُر ، بحمد اللہ میرے تمام افسانوں کے ہیرو بقیدحیات ہیں ، تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ہیں اور کسی افسانہ میں افسوس کہ میں مشہور یوروپین یا امریکن افسانہ سے کچھ بھی نہیں لے سکا......."

مرزا چغتائی نے مذاقیہ مضامین لکھنا نسبتاً حال ہی میں شروع کیا ہے اور یہ کہنے میں بمشکل کسی کو تامل ہوگا کہ اپنے انداز میں وہ قطعاً منفرد اور قطعاً کامیاب ہیں ، ان کا یہ ادعا کہ " تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ہیں " جتنا صحیح ہے اتناہی مبارک اور مستحسن ہے ، اور یہی سبب ہے کہ ان کی تحریر میں ان کی شخصیت اور انفرادیت بدرجہ اتم نمایاں ہے - " واقعات " اور " معاشرت " کا سہل ، سادہ اور دلچسپ رنگ ان کی تحریر اور طرز تحریر دونوں پر چھایا ہوا ہے. ان کی تحریر سادہ ہے لیکن " سپاٹ " یا بے رنگ نہیں ، یہ ان کے خلوص اور ہمدردی ' کا ثبوت ہے اور ثبوت ہی نہیں بلکہ فیضان بھی - ان کی تحریر میں کہیں زھرناکی یا کینگی نہیں پائی

جاتی ۔ ہمیشہ نہیں تو کبھی کبھی یہی زہرناکی اور کینگی ، کمینگی یا کم ظرفی میں تبدیل ہوجاتی ہے ، طنز یا ظرافت بڑی خطر ناک سر زمین ہے ذرا لغزش ہوئی اور لکھنے والا کہیں کا نہ رہا ۔

مرزا چغتائی کی رگ و پے میں مشرق اور مشرقیت سرایت کئے ہوئے ہے ، ان کو اردو لکھنے پر کافی قدرت ہے ۔ اپنی ان دونوں حیثیتوں پر وہ کبھی ظلم نہیں کرتے اور یہی سبب ہے کہ ان کے الفاظ اور مفہوم دونوں میں بے ساختگی اور شگفتگی ہوتی ہے ۔ اس بے ساختگی اور شگفتگی میں ایک خفیف سی جھلک ”قلندرانہ پن“ کی بھی ہے جس کو حسن یا قبح دونوں سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن امید ہے کہ سن و سال کا بار حشو و زوائد کو زائل کردے گا اور یہ دیوار قہقہہ کبھی نہ کبھی تاج محل بنکر رہیگی ۔ بشر طیکہ آئیندہ وہ خود اپنی تصانیف کا مقدمہ نہ لکھا کریں جس کا حوالہ ابتدا میں دیا گیا ہے !! امید ہے کہ رسالوں کے مختلف اور بے شمار اڈیٹر صاحبان بھی ان پر رحم فرمائیں گے کیونکہ مرزا صاحب کی مروت ان کو ”بسیار نویسی“ پر مجبور کرتی ہے اور بسیار نویسی کا دوسرا نام کم سے کم صحیفہ ظرافت میں لغویت بھی ہے !!

بعض نمونے حسب ذیل ہیں ۔

الشذری :—

”..........حج سے پہلے وہ چودھری صاحب تھے اور حج کے بعد الحاج الشذری الھذی........ان کی تمام کوششیں اپنے کو عرب بنانے میں بالکل اسی طرح ضائع جاتی تھیں جس طرح بعض دیسی عیسائی کوٹ پتلون پہنکر غلط اُردو دیدہ

دانستہ بولتے ہیں اور غلط انگریزی مجبوراً اور تہ پر تہ سفید پاؤڈر کی لگاتے ہیں مگر حقیقت نہیں چھپتی اور بعینہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کمرہ میں قلعی ہوتی ہے اسمیں کسی زمانہ میں ضرور باورچی خانہ تھا نہ یورپین انٹر میں بیٹھنے سے کام چلتا ہے اور نہ یورپین نرخ پر چائے خریدنے سے - غرض یہی حالت چودھری صاحب کی تھی کہ عرب بننے کی تمام کوششیں رائگاں جاتی تھیں......... بھائی شذری نے کہا "ارے میاں عربی بولنا اور سمجھنا اسقدر آسان ہے کہ ہر وہ شخص جو ہماری تمہاری طرح اُردو جانتا ہے اور فارسی میں قدرے دخل رکھتا ہے بڑی آسانی سے عربی بول اور سمجھ سکتا ہے ....کچھہ نہیں صرف معمولی اُردو میں مِنَل - وَلَ - آل - کُم - وغیرہ لگاؤ بس عربی ہوگئی........."

عراق میں ایک ناؤ ایسی بھی ہوتی ہے جیسے گول پیالہ - خوش قسمتی سے ایسی ہی ناؤ ملی - میں تو چپ کھڑا رہا اور چودھری صاحب نے ہندوستانی عربی یا بالفاظ دیگر عراقی اُردو میں ملاح سے بات چیت شروع کردی - خدا معلوم انہوں نے کیا کہا اور ملاح نے کیا سمجھا - مگر نتیجہ اس گفت و شنید کا یہ ہوا کہ ہم دونوں ناؤ میں بیٹھہ گئے اور دریا کی سیر ہونے لگی - اس ناؤ کی تعریف کے چودھری صاحب نے پل باندھ دئے ، کہنے لگے کہ اس ناؤ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ گرداب میں پڑکر بھی نہیں ڈوبتی - میں نے تعجب ظاہر کیا تو اُنہوں نے کہا دیکھو ابھی اسے گرداب میں لے چلیں گے تاکہ تم خود دیکھہ لو میں نے کہا خدا کے واسطے رحم کیجئے - مجھکو ذرہ بھر شک نہیں آپ

سچ کہتے ہیں اور مجھکو تسلیم ہے کہ یہ کمبخت ناؤ حضرت نوح کی کشتی کا مقابلہ کرلے گی مگر وہ نہ مانے پر نہ مانے بیچ دریا کے بہاؤ سے ذرا ہٹ کر بڑے زور شور سے بھنور پڑ رہا تھا جسکو دیکھنے سے ڈر لگتا تھا - چودھری صاحب ملاح سے غلط سلط عراقی اُردو بول رہے تھے - چونکہ لفظ عمیق جانتے تھے - لہذا تمام تر دریا کی گہرائی پر گفتگو ہو رہی تھی - اب ملاح سے اُنھوں نے اس خوفناک بھنور کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا "غریق کشتی من الگرداب" لفظ گرداب پر انگلی سے بھنور کی شکل بنائی اور بھنور میں ناؤ لے چلنے کا اشارہ کیا - میں نے کہا خدا کے واسطے میرے اوپر رحم کرو مگر وہ میری سنتے ہی نہ تھے "ٹھہرو جی" کہکر انھوں نے میرا ہاتھہ جھٹک دیا - ملاح نے نہ معلوم انسے کیا کہا جسکو یہ قطعی نہ سمجھے ہونگے - مگر بات چیت بھلا کیسے رک سکتی، عربی میں فارسی ارد انگریزی تمام الفاظ بولتے چلے جاتے خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے انکی بلا سے - نتیجہ یہ نکلا کہ میں چیختا پیٹتا رہ گیا اور ملاح نے تیزی سے کشتی لے جا کر گرداب میں ڈالدی .... اب چودھری صاحب کو بھی چکّر آئے ....

میں تو سر پکڑ کر بیٹھہ گیا اور زور سے چلایا کہ خدا کے واسطے ناؤ روکو چودھری صاحب اس خیال میں تھے کہ جب جی چاہے گا رکوا لیں گے - چنانچہ اب اُنھوں نے خود ڈگمگاتے ہوئے، ملاح سے کہا "ایہاالشیخ شدۃالمن الرقص - اخرج علی الگرداب" بانگرو ملاح واللہ اعلم سمجھتا ہوی ہوگا یا نہیں کہ فارسی میں بھنور کو گرداب کہتے ہیں اور پھر الشذری اور خود اسکے

مربی کپڑوں کي پھر پھڑاھٹ اور دریا کا شور اور پھر لٹو کي طرف ناؤ کي گردش سمجھنا تو درکنار نہ معلوم ملاح نے سنا بھي کہ نہیں - اس نے نہ سنا اور نہ سمجھا اور نہ سننے یا سمجھنے کی کوشش کي اور اللہ کا نام لے کر دانتوں سے اپنے ھونٹ دبا کر " ایاغ " کہہ کر زور سے پتوار پانی میں ڈالکر ناؤ کو اور بھي گھن چکر کر دیا .... میں سجدہ میں پڑا بجائے سبحان ربي الاعلي کے چلّا رھا تھا خدا کے واسطے نکا لو ادھر اب الشذري بو کھلا کر چلائے " شدۃ المن الرقاصہ ایے ایھا الشیخ " - " خدا کے واسطے اخرج من الگرداب - ارے مرا " میں پھر چلایا " ھاے مرا " اُدھر اس ناھنجار ملاح نے ایک مرتبہ اور پانی میں پتوار ڈالکر زور سے چکر کي تیزی میں اضافہ کر دیا .... چودھری صاحب نے اب وھاں دھائی تہائي دینا شروع کردی اور میں پڑے پڑے ان کوششوں کي داد دے رھا تھا وہ چلا رہے تھے " ایے نالائق شیخ برحمتک .... کم بخت اشدۃ المن الرقص .... ارے اخرج .... من الگرداب ارے موذي ناؤ نکال " چکراکر وہ پھر میرے اوپر گرے میں نے آنکھ کھولکر دیکھا - ساري دنیا گھوم رھي تھي - چودھری صاحب نے پھر دھاڑ کر کہا " ایھا الشیخ .... ایے الو........ ابن الالو والخنزیر .... قسم خدا کي........... واللہ .... ارے بھئي شیخ ارے اشدۃ المن الرقص.........ارے مرے........ ایے روک .... روک .... ارے نکال .... یا اللہ .... ایے ایھا الشیخ من الموذي اخرج من الماؤگرداب .... نالائق .... بدمعاش .... واللہ بھئي شیخ .... مگر توبہ کیجئے بھلا ان باتوں سے کہیں ناؤ رکنے والي تھي !

سر پٹک پٹک ہم دونوں بیہوش ہوگئے۔

نہ معلوم کتنے دیر بعد آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو دریا کے کنارے بےبس پایا۔ مارے درد کے سر پھٹا جا رہا تھا، نہ طاقت رفتار تھی نہ طاقت گفتار.........بھائی شذری نہ معلوم کس طرح اُٹھ کر کھڑے ہوئے کہ چاروں شانے چت گرے اور اِدھر وہ نابکار ملاح ھنس رہا تھا اور اپنی مزدوری کا طالب تھا........ جب ایک فارسی داں حضرت کا اُدھر سے گذر ہوا تو معاملہ صاف ہوا۔ ادھر الشذری نے ملاح کی شکایت کی کہ ہم دونوں کو اسنے ناؤ میں چرخ دے کر ادھ‌مرا کر دیا اور پھر مزدوری مانگتا ہے، اُدھر ملاح نے کہا کہ "ایسے لوگ بھی کم دیکھنے میں آئے ہونگے کہ مارے چکر کے مرے جا رہے تھے مگر بار بار یہی کہتے تھے کہ ناؤ کو شدت کے ساتھ رقص کراؤ، میرا خود سر چکرا گیا اور دگنی مزدوری واجب ہے"

"ارے کم‌بخت چودھری" میں نے مری ہوئی آواز میں کہا یہ" تمہاری عربی میری جان لے گی یاد رکھو اگر میں مر گیا تو یہ خون تمہاری گردن پر ہوگا"

"شاطر کی بیوی"

"......... آپ بھی عجیب آدمی ہیں" خاں صاحب نے چیں بہ جبیں ہوکر کہا، آپ شطرنج نہیں کھیل سکتے........ لکھ لیجئے کہ آپ کی "گھر میں" آپ کا شطرنج کھیلنا موقوف کرادیں گی........ آپ نہیں کھیل سکتے"

"یہ آخر کیوں ؟"

"خاں صاحب بولے" لکھہ لیجئیے .... بندہ خاں کی بات یاد رکھئے گا لکھہ لیجئے"

"آخر کیوں لکھہ لوں ؟ کوئی وجہ ؟"

"وجہ یہ" خاں صاحب نے اپنے داھنے ھاتھہ کی مٹھي زور سے بائیں ھاتھہ کي ھتھیلي پر مار کر کہا" وجہ یہ کہ معاف کیجئے گا - آپ زن مرید ھیں .... زن مرید ادھر وہ جائیں گي اور ادھر آپ .... "(انگلی گھما کر نقل بناتے ہوئے خاں صاحب نے کہا) ھائے جورو ! ھائے جورو ! ...... ایسے کہیں شطرنج کھیلي جاتي ھے ! لاحول ولاقوۃ"

میں نے طے کر لیا کہ خانم سے اس باب میں قطعي سخت لڑائي ھوگي ، میں نہیں دبوں گا - یہ میرا شوق ھے ، انھیں ماننا پڑے گا -

---

" تین چار روز تک خانم سے سخت ترین جنگ رھي یعني خاموش جنگ اُدھر وہ چُپ ادھر میں چُپ - خانم کي مددگار استانی جي اور میرے مددگار خاں صاحب ، پانچویں دن یہ شطرنج دوبھر معلوم ھونے لگی - میري سپاہ کمزوري دکھا رھي تھي - جی تھا کہ اُلٹا آتا تھا خاموش جنگ سے خدا محفوظ رکھے ، ایسا معلوم ھوتا تھا کہ جیسے گیس کي لڑائي ھو رھي ھے ، غلیم کا گیس دم گھوٹنے دیتا تھا - خاں صاحب طرح طرح کے حملے تجویز کرتے تھے مگر جناب اس گیس کي لڑائی میں کوئي تدبیر نہ چلتی تھي خاں صاحب ماھر فنون جنگ تھے مگر جرمن گیس کا جواب توپ اور بندوق نہیں دیسکتي - یہ انھیں معلوم نہ تھا وجہ یہ ھے کہ

وہ پرانے زمانہ کي لڑائیاں لڑے ہوئے بیچارے کیا جانیں کہ خاموشي کا گیس کیا بلا ہوتي ہے - میري کمزوري پر دانت پیستے تھے کہتے تھے ، "نہ ہوا میں .... دکھا دیتا !"

"خاں صاحب اول تو خود جنگي آدمي اور پھر جنرل بھي اچھے - مگر جناب جب سپاہي ہمت ہار جائے تو جنرل کیا کرے - چھہ دن گذر گئے اور اب میں جنگ مغلوبہ لڑ رہا تھا -

بہت کوشش کی بہت ہمت کي مگر ہار ہي گیا - شرائط صلح بھي بہت خراب تھیں - شاید معاہدۂ ورسلیز جس طرح ترکوں کے لئے ناقابل پذیراي تھا اسي طرح میرے لئے بھي مگر بقول کسے بزور شمشیر و بنوک سنگین مجھکو مجبوراً صلحنامہ پر دستخط کرنا پڑے اور صلحنامہ کي سخت شرائط ذرا ملاحظہ ہوں -

(۱) خاں صاحب سے تمام تعلقات دوستی منقطع کر دونگا وہ گھر پر آئینگے تو کہلوا دونگا کہ نہیں ہوں - ویسے حصہ وغیرہ ان کے ہاں جائیگا اور آئے گا ،

(۲) شطرنج کھیلنا بالکل بند - اب کبھي شطرنج نہیں کھیلونگا - خصوصاً رات کو تو کھیلونگا ہي نہیں -

(۳) شطرنج کے علاوہ تاش بھي نہیں کھیلونگا سوائے اتوار کے - رات کو وہ بھي نہیں -

(۴) رات کو دیر کر کے آنا شطرنج کھیلتے رہ جانے کے برابر متصور ہوگا کوئي ثبوت لئے بغیر تصور کر لیا جائےگا کہ شطرنج کھیلي گئي کوئي عذر تسلیم نہ کیا جائے گا -

پانچویں اور چھٹی شرط میں خود بیان کرنا پسند نہیں کرتا - ساتویں شرط یہ تھی کہ اگر اس معاهدہ کی پابندی نہ کی گئی تو "تم اپنے گھر خوش هم اپنے گھر خوش"

خاں صاحب سے میں نے اپنی شکست اور شرائط صلح کا ذکر صاف صاف تو نہیں کیا مگر اتنا ضرور تسلیم کیا کہ مہرے برابر استانی جی کے لڑکے سے چروائے جاتے رهے - پھر صلح کا ذکر کیا - خاں صاحب تجربہ‌کار آدمی تھے - دانت نکالکر انھوں نے ران پر هاتھہ مار کر پہلے دنیا بھر کی لڑاکا بیویوں کو گالیاں دیں اور پھر کہا "میاں لمڈے هو ، مجھہ سے باتیں بنانے آئے هو ، بیوی کی جوتیاں کھا رهے هو - .... شطرنج کھیلیں گے ... . یہ شطرنج هے ! هونہہ .... سر پکڑ کر روؤگے .... گھر والی کو اتنا سر پر نہیں چڑھاتے .... تو جانو تمھارا کام .... جب کبھی ملاقات هوئی علیک سلیک کر لی بس لکھہ لو ...."

خاں صاحب کی گفتگو سے کچھہ پھریری سی آئی - گھر میں آیا تو خانم کو پھول کی طرح کھلا هوا پایا ، لاحول ولاقوۃ !

• پطرس • (اے اس بخاری) -

پطرس اور "پطرس کے مضامین" دونوں کا تعارف کتاب کے دیباچہ سے هو جاتا هے -

"اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی هے تو مجھپر احسان کیا هے ، اگر آپ نے کہیں سے چرایا هے تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا هوں ، اپنے پیسوں سے خریدی هے تو مجھے آپ سے همدردی هے اب بہتر یہی هے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھکر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں -

ان مضامین کے افراد سب خیالی ہیں حتیٰ کہ جن کے لئے وقتاً فوقتاً واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے - وہ بھی ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہے آپ تو اس نکتے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن کئی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی - ان کی غلط فہمی اگر دور ہو جائے تو کیا ہرج ہے -

جو صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں وہ پہلے اُس ملک کے لوگوں سے اجازت حاصل کریں ""

یہ دیباچہ نہیں غزل ہے اور جو شخص ایسی غزل لکھ سکتا ہے اس کے سارے قصور معاف کئے جا سکتے ہیں خواہ وہ غلط اُردو ہی لکھتا کیوں نہ ہو!

پطرس بالعموم غلط اُردو نہیں لکھتے خاص خاص مقامات پر اُن کو متشابہ ضرور لگتا ہے جہاں کے اُردو کو مقامی رنگ دے جاتے ہیں ۔ اُن کی اُردو اکتسابی ضرور ہے لیکن ظرافت قطعاً وہبی ہے - پنجاب میں اچھی اور صحیح اُردو لکھنے والے سر عبدالقادر سر اقبال اور ظفر علی خاں ہیں پطرس اچھی اُردو اب بھی لکھ لیتے ہیں اور یقین ہے کہ سر بننے یا جیلخانہ جانے سے پہلے وہ صحیح اُردو بھی لکھنے لگیں گے !

پطرس کی ظرافت کا آرٹ الفاظ میں نہیں واقعات میں ہوتا ہے - ان کی تحریر فضا پیدا کرتی ہے نہ کہ نغمہ ' پھر یہ بھی ہے -

نغمہ اندر تست اندر نغمۂ داؤد نے

پطرس کی ظرافت "اکتسابات" میں پھلی پھولی معلوم ہوتی ہے لیکن اُردو کی فضا میں پہونچکر رنگینی اور رعنائی کے اعتبار سے دو آتشہ ہو گئی ہے ا

پطرس اگر برابر لکھتے رہے اور مرزا عظیم بیگ چغتائی اور فرحت اللہ بیگ نے لکھنا کم کر دیا تو یقین ہے کہ اردو ادب میں ظرافت کا عنصر بغایت وقیع ، بغایت دلکش اور بغایت مہتمم بالشان ہو جائے گا اور شاید ایسا کہ ایشیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہ ملسکے !

بایںہمہ جہاں تک طنز یا ظرافت کا تعلق ہے " مضامین پطرس " ارض پنجاب میں دیوان غالب کی نہیں تو " مرقع چغتائی " کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں !

بعض نمونے حسب ذیل ہیں ،

کتے :—

" .... کل ہی کی بات ہے کہ رات کے کوئی گیارہ بجے ایک کتے کی طبیعت جو ذرا گد گدائی تو انہوں نے باہر سڑک پر طرح کا ایک مصرعہ دے دیا ایک آدھ منٹ کے بعد سامنے کے بنگلے میں سے ایک کتے نے مطلع عرض کر دیا - پھر تو جناب ایک کہنہ مشق استاد کو جو غصہ آیا ، ایک حلوائی کے چولہے میں سے باہر لپکے اور بھنا کے پوری غزل مقطع تک کہہ گئے - اس پر شمال مشرق کی طرف سے ایک قدر شناس کتے نے زوروں کی داد دی ہے - اب تو حضرت وہ مشاعرہ گرم ہوا کہ کچھ نہ پوچھئے ، کمبخت بعض تو دو غزلے سہ غزلے لکھ لائے تھے - کئی ایک نے فی البدیہہ قصیدے کے قصیدے پڑھ ڈالے وہ ہنگامہ گرم ہو کہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آتا تھا - ہم نے کھڑکی میں سے ہزاروں دفعہ " آرڈر آرڈر " پکارا لیکن ایسے موقعہ پر وہاں کسی کی کوئی نہیں سنتا .... "

.... چونکہ ہم طبعاً ذرا محتاط ہیں اس لئے آج تک کتے کے کاٹنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا - یعنی کسی کتے نے آج تک ہم کو کبھی نہیں کاٹا - اگر ایسا سانحہ کبھی پیش آیا ہوتا تو اس سرگذشت کی بجائے آج ہمارا مرثیہ چھپ رہا ہوتا تاریخی مصرعہ دعائیہ ہوتا کہ اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو " لیکن ،

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگِ رہ بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

جب تک اس دنیا میں کتے موجود ہیں اور بھونکنے پر مصر ہیں سمجھ لیجئے ہم قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں اور پھر ان کتوں کے بھونکنے کے اصول بھی تو کچھ نرالے ہیں یعنی ایک تو متعدی مرض ہے اور پھر بچوں بوڑھوں سبھی کو لاحق ہے - اگر کوئی بھاری بھرکم اسفند یار کتا کبھی کبھی اپنے رعب اور دبدبے کو قائم رکھنے کے لئے بھونک لے تو ہم بھی ، چار وناچار کہدیں کہ بھئی بھونک (اگرچہ ایسے وقت میں اسکو زنجیر سے بندھا ہونا چاہئے) لیکن یہ کمبخت دو روزہ سہ روزہ دو دو تین تین تولے کے پلّے بھی تو بھونکنے سے باز نہیں آتے - باریک آواز اتنا سا پھیپھڑا اس پر بھی اتنا زور لگا کر بھونکتے ہیں کہ آواز کی لرزش دم تک پہنچتی ہے .... کتوں کے بھونکنے پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کہ ان کی آواز سوچنے کے تمام قویٰ کو معطل کر دیتی ہے ، خصوصاً جب کسی دکان کے تختے کے نیچے سے ان کا ایک پورا خفیہ جلسہ باہر سڑک پر آ کر تبلیغ کا کام شروع کر دے تو آپ ہی کہئے ہوش ٹھکانے رہ سکتے ہیں ؟ - ہر ایک کی

طرف باری باری متوجه ہونا پڑتا ہے کچھ ان کا شور کچھ ہماری صدائے احتجاج (زیر لب) بےڈھنگے حرکات و سکنات (حرکات ان کی سکنات ہمارے) اس ہنگامے میں دماغ بھلا خاک کام کر سکتا ہے ؟ .... بہر صورت کتوں کی یہ پرلے درجے کی نا انصافی میرے نزدیک ہمیشہ قابل نفریں رہی ہے - اگر ان کا ایک نمائندہ شرافت کے ساتھ ہم سے کہدے کہ عالی جناب سڑک بند ہے تو خدا کی قسم ہم بغیر چوں و چرا کئے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے کتوں کی درخواست پر کئی راتیں سڑک ناپنے میں گذاردی ہیں - لیکن پوری مجلس کا یوں متفقہ و متحدہ طور پر سینہ زوری کرنا ایک کمینہ حرکت ہے (قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ان کا کوئی عزیز و محترم کتا کمرے میں موجود ہو تو یہ مضمون بلند آواز سے نہ پڑھا جائے - مجھے کسی کی دلشکنی مطلوب نہیں) "

" خدا نے ہر قوم میں نیک افراد بھی پیدا کئے ہیں - کتے اس کلیّے سے مستثنے نہیں - آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہو گا عموماً اس کے جسم پر تپسیا کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں - جب چلتا ہے تو اس مسکینی اور عجز سے گویا بارگناہ کا احساس آنکھ اُٹھانے نہیں دیتا - دُم پیٹ کے ساتھ لگی ہوتی ہے - سڑک کے بیچوں بیچ غور و فکر کے لئے لیٹ جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے ' شکل بالکل فلاسفروں کی سی اور شجرہ دیو جانس کلبی سے ملتا ہے - کسی گاڑی والے نے متواتر بگل بجایا - گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکھٹایا - لوگوں سے کہلوایا - خود دس بارہ دفعہ آوازیں

دیں تو آپ نے سر کو وهیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا ، صورت حالات کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں - کسي نے ایک چابک لگا دیا تو آپ نہایت اطمینان کے ساتھہ وهاں سے اُٹھہ کر ایک گز پرے جالیٹے اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے وہ ٹوٹ گیا تھا وهیں سے پھر شروع کر دیا :-
کسي بائیسکل والے نے گھنٹي بجائي تو لیٹے هي لیٹے سمجھہ گئے کہ بائیسکل هے ایسي چھچھوری چیزوں کے لئے وہ رستہ چھوڑدینا فقیري کي شان کے خلاف سمجھتے هیں -

رات کے وقت یہي کتا اپنی خشک پتلي سي دم کو تابحد امکان سڑک پر پھیلا کر رکھتا هے اس سے محض خدا کے برگزیدہ بندوں کي آزمائش مقصود هوتي هے - جہاں آپنے غلطي سے اس پر پاؤں رکھہ دیا - انہوں نے غیظ و غضب کے لہجہ میں آپ سے پرسش شروع کر دي "بچا فقیروں کو چھیڑتا هے ، نظر نہیں آتا ، هم سادھو لوگ یہاں بیٹھے هیں" بس اس فقیر کی بدعا سے اسي وقت رعشہ شروع هو جاتا هے ، بعد میں کئي راتوں تک یہی خواب نظر آتے رهتے هیں کہ بےشمار کتے ٹانگوں سے لپٹے هوتے هیں اور جانے نہیں دیتے آنکھہ کھلتی هے تو پاؤں چارپائي کي ادوائن میں پھنسے هوتے هیں -

اگر خدا مجھے کچھہ عرصہ کے لئے اعلي قسم کے بھونکنے اور کاٹنے کي طاقت عطا فرمائے تو جنون انتقام میرے پاس کافی مقدار میں هے - رفتہ رفتہ سب کتے علاج کے لئے کسولي پہنچ جائیں .... انگریزی میں ایک مثل هے کہ "بھونکتے هوئے کتے کاٹا نہیں کرتے" یہ بجا هي لیکن کون جانتا هے کہ ایک بھونکتا هوا کتا کب بھونکنا بند کر دے اور کاٹنا شروع کردے -"

" .... قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے - میرا بھتیجا یوں دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں - میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پود ہونے کی وجہ سے بعض فالتو اوصاف بھی کبھی کبھی نظر آتے ہیں - لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھہ کبھی رونما نہیں ہوئی تھی - وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا ہے - اور میں تو اس کے نزدیک بس علم و فن کا ایک دیوتا ہوں - یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے - اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ خانوانوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آ جاتا ہے - میں نے شائستہ سے شائستہ دودمانوں کے فرزندوں کو بعض وقت بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے کہ ان پر فیچ ذات ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے "

" .... آخرکار بائسکل پر سوار ہوا - پہلا ہی پاؤں چلایا تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اپنی ہڈیاں چٹخا چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہے - گھر سے نکلتے ہی کچھہ تھوڑی سی اترائی تھی - اس پر بائسکل خود بخود چلنے لگی لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتی ہے - اور ساتھہ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونی شروع ہوئیں - ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے - چیں - چاں چوں کی قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہئے سے نکلتی تھیں - کھٹ ، کھڑ ، کھڑ کھڑ کی قبیل کی آواز مڈگارڈوں سے آتی تھیں - چر - چرخ ، چر - چرخ کی قسم کی سریں -

زنجیر اور پیڈل سے نکلتی تھیں - زنجیر ڈھیلی ڈھیلی تھی - میں جب کبھی پیڈل پر زور ڈالتا تھا زنجیر میں ایک انگڑائی سی پیدا ہوتی تھی - جس سے وہ تیز جاتی تھی اور چڑ چڑ بولنے لگتی تھی اور پھر ڈھیلی ہو جاتی تھی - پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے چلتا تھا اور اس کے علاوہ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کو بھی حرکت کرتا تھا چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑتا جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مخمور سانپ لہرا کر نکل گیا ہے - مڈگارڈ تھے تو سہی لیکن پہیوں کے عین اوپر نہ تھے - ان کا فائدہ صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان شمال کی سمت سیر کو نکلے اور آفتاب مغرب میں غروب ہو رہا ہو تو مڈگارڈوں کی بدولت ٹائر دھوپ سے بچے رہیں گے -

اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ لمحہ بھر کو زور سے اوپر اٹھ جاتا تھا اور میرا سر پیچھے کو یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر ٹھوڑی کے نیچے مکے مارے جا رہا ہو - پچھلے اور اگلے پہیئے کو ملا کر چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' .... کی صدا نکل رہی تھی - جب اترائی پر بائیسکل ذرا تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آگیا اور بائیسکل کے کئی اور پرزے جو اب تک سوئے ہوئے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے -

اِدھر اُدھر کے لوگ چونکے - ماؤں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا - کھڑر کھڑر کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی - لیکن چونکہ بائیسکل اب پہلے سے تیز تھی

اس لئے چوں چوں پھٹ ، چوں چوں پھٹ کی آواز نے اب چچوں پھٹ ، چچوں پھٹ ، چچوں پھٹ کی صورت اختیار کر لی تھی - تمام بائیسکل کسی ادق افریقی زبان کی گردانیں دھرا رہی تھی ''

اس قدر تیز رفتاری بائیسکل کی طبع نازک پر گراں گذری - چنانچہ اس میں یک لخت دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں جا تو سامنے کو رہا تھا لیکن میرا تمام جسم دائیں طرف کو مڑا ہوا تھا - اس کے علاوہ بائیسکل کی گدی دفعتاً چھ انچ کے قریب نیچے بیٹھ گئی - چنانچہ جب پیڈل کے چلانے کے لئے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میری تھوڑی تک پہنچ پہنچ جاتے تھے - کمر دوہری ہو کر باہر کو نکلی ہوئی تھی اور ساتھ ہی اگلے پہیے کی اٹکھیلیوں کی وجہ سے سر برابر جھٹکے کھا رہا تھا .... جیب میں سے میں نے اوزار نکالا ، گدی کو اونچا کیا ، کچھ ہینڈل کو ٹھیک کیا اور دوبارہ سوار ہو گیا '' -

'' دس قدم بھی چلنے نہ پایا تھا کہ ابکی بار ہینڈل یک لخت نیچا ہو گیا اتنا کہ گدی اب ہینڈل سے کئی فٹ پھر اونچی تھی میرا تمام جسم آگے کو جھکا ہوا تھا - تمام بوجھ دونوں ہاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے اور جو برابر جھٹکے کھا رہے تھے .... میں دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی عورت آٹا گوندھ رہی ہو - مجھے اس مشابہت کا احساس بہت تیز تھا - جس کی وجہ سے میرے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آیا .... ہینڈل تو نیچا ہو ہی گیا تھا -

تھوڑی دیر کے بعد گدی بھی پھر نیچی ہو گئی اور میں ہمہ تن زمین کے قریب پہنچ گیا - ایک لڑکے نے کہا دیکھو یہ آدمی کیا کر رہا ہے ، گویا اس بد تمیز کے نزدیک میں کوئی کرتب دکھا رہا تھا - میں نے اتر کر پھر ہینڈل اور گدی کو اونچا کیا .... '' -

'' .... مشکل سے بیس قدم گیا ہونگا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین یک لخت اُچھل کر مجھے آ لگی ہے - آسمان میرے سر سے ہٹ کر میری ٹانگوں کی بیچ میں سے گذر گیا ہے اور اِدھر اُدھر کی عمارتوں نے ایک دوسرے کے ساتھہ اپنی اپنی جگہہ بدل لی ہے - حواس بجا ہوئے تو معلوم ہوا کہ میں زمین پر اِس بے تکلفی سے بیٹھا ہوں گویا بڑی مدت سے مجھے اس بات کا شوق تھا جو آج پورا ہوا .... میں نے اپنے گردوپیش پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیہ بالکل الگ ہوکر لڑھکتا ہوا سڑک کے اُس پار جاپہنچا ہے اور بائیسکل کا باقی میرے پاس پڑا ہے ، میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا جو پہیہ الگ ہوگیا تھا اس کو ایک ہاتھہ میں اُٹھایا دوسرے ہاتھہ میں باقی ماندہ بائیسکل کو تھاما اور چل کھڑا ہوا - یہ محض ایک اضطراری حرکت تھی ورنہ حاشا وکلا بائیسکل مجھے ہرگز اتنی عزیز نہ تھی کہ میں اس کو اس حالت میں ساتھہ ساتھہ لئے پھرتا ''

" جب میں یہ سب کچھہ اٹھاکر چل دیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو - کہاں جارہے ہو ، تمہارا ارادہ کیا ہے - یہ دو پہیئے کا ہے کو ساتھہ لے جا رہے ہو ؟؟

" سب سوالوں کا جواب یہی ملا کہ دیکھا جائے گا فی الحال

تم یہاں سے چل دو - سب لوگ تمھیں دیکھ رہے ھیں - سر اونچا رکھو اور چلتے جاؤ جو ھنس رہے ھیں اُنھیں ھنسنے دو، اس قسم کے بیہودہ لوگ ھر قوم اور ھر ملک میں پائے جاتے ھیں - آخر ھوا کیا - محض ایک حادثہ - بس دائیں بائیں مت دیکھو چلتے جاؤ - لوگوں کے ناشائستہ کلمات بھی سنائی دے رہے تھے - ایک آواز آئی "بس حضرت غصہ تھوک ڈالئے - ایک دوسرے صاحب بولے" بیچارا بائیسکل - گھر پہنچ کے تجھے مزا چکھاؤں گا - ایک والد اپنے لخت جگر کو انگلی پکڑے لئے جارہے تھے میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے "دیکھا بیٹا یہ سرکس کی بائیسکل ھے - اس کے دونوں پہیئے الگ الگ ھوتے ھیں ...."

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے (علیگ) یوں تو حال ھی میں اس حمام (ظرافت) میں برھنہ ھوئے ھیں لیکن تیور اور دم خم دیکھکر علی گڑھ والوں کی زبان اور مفہوم میں ان پر "بڑا پرانا" ھونے کا فقرہ پورے طور پر چسپاں ھوتا ھے اور پرانا بھی ایسا کہ ' نا ' کا تلفظ اس طور پر کیجئے یا کرتے جائیے کہ آپ کا سانس اس وقت ٹوٹے جب زندگی خطرہ میں پڑنے لگے!

جہاں تک راقم السطور کی یادرفاقت کرتی ھے مرزا صاحب کا پہلا مضمون "اُردو" میں "دھلی کا ایک مشاعرہ" کے عنوان سے شائع ھوا تھا - پہلے مضمون سے ایسا مضمون مراد ھے جس کو خالصتاً ظریفانہ نہیں تو اس کا مقدمہ ضرور کہہ سکتے ھیں - اس کے بعد پھول والوں کی سیر ' اور مولانا نزیر احمد ' مرحوم کی سیرت اور دیگر مضامین شائع ھوئے - بہر حال یہ تو مرزا صاحب

کی " عمر ظرافت " یا " ظریفانہ عمر " کی " کھٹمونی ' ہوئی جس سے ناظرین کو تو کیا فاعتبرو یا اولی الابصار " کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا -

ہاں تو کہنا یہ تھا کہ مرزا صاحب حال ہی میں اس حمام میں برہنہ ہوئے ہیں لیکن اس میں شک نہیں وہ " باتھ روم " میں نہیں بلکہ " حمام " ہی میں برہنہ ہوئے ہیں اور حمام کی برہنگی کا مشرقی مفہوم تہبند ہے جس کو مرزا صاحب نے ترک نہیں کیا ہے اور خوب کیا ہے - باتھ روم کے غسل اور وہاں کی برہنگی آرٹ و حفظان صحت کے اُصول پر ممکن ہے صحیح ہو لیکن مشرق اور مشرقیت ابھی اس سے ہم آہنگ نہیں ہو سکی ہے اور شاید یہ ہو بھی نہیں سکتی - مرزا صاحب کا تہبند بھی وہی دادا جان کی " گاڑھے کی تہمد " ہے جس میں ستر ظرافت چھپی ہوتی ہے ' - ان کی نہیں اُن کے آرٹ کی !

فرحت اللہ بیگ صاحب کو عہد مغلیہ کے آخری دور کی معاشرت اور تمدن کا صحیح اور دلکش ترین مرقع کھینچنے پر بڑی قدرت حاصل ہے - ایسی قدرت جو بعض ناگزیر کوتاہیوں کے ساتھ آپ کو مولانا راشدالخیری اور حکیم ناصر نذیر فراق کی تحریروں میں بھی نظر آ سکتی ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے انھوں نے دلی ہی میں آنکھ کھولی اور دلی والوں کی آنکھیں بھی دیکھیں - اس لئے وہ یا آغا حیدر حسن صاحب (بقول علی گڑھ والوں کے " ددا سربھا ") دلی کے سلسلہ میں جو کچھ کہہ سن جائیں گے وہ باہر والوں یا والیوں کو کہاں نصیب - فرحت صاحب کی ظرافت میں انتہائی سادگی کے ساتھ زبان اور بیان کا چٹخارہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کے

ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات وہ دانستہ یا نا دانستہ طور پر محاورہ یا زبان یا ضرب الامثال کی بے محل نمائش بھی کر جاتے ہیں اور مضمون کا اتنا حصہ قدرتاً مصنوعی معلوم ہونے لگتا ہے - چغتائی اور فرحت صاحبان کے انداز تحریر کا امتیاز خصوصی یہی ہے کہ چغتائی الفاظ ، محاورہ ، زبان یا ضرب الامثال کی کبھی نمائش نہیں کرتے لیکن فرحت صاحب کو چغتائی پر اس اعتبار سے تفوق حاصل ہے کہ فرحت صاحب کے ظرافت بعض اہم اور سنجیدہ مقاصد کی ترجماں بھی ہوتی ہے - چغتائی صاحب کی مانند فرحت صاحب کو بھی جزئیات خوب سوجھتی ہیں اور یہی چیز صحیفہ ظرافت میں " جان سخن " بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ فرحت کی سوجھ میں بوجھ کو بھی دخل ہوتا ہے اور چغتائی کو صرف سوجھتی ہے - لیکن خوب سوجھتی ہے !

فرحت صاحب کے مضامین کے مطالعہ کے بعد ہم بے اختیار کہہ پڑتے ہیں ،

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی !
چغتائی صاحب کے مضامین پڑھنے کے بعد
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھی !

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے تحریر کا نمونہ درج ذیل ہے -

" عشق کی گولیاں "

" ناصر کو میں کیا اسکے سارے دوست بےوقوف سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے جس بھلے آدمی کا سر کھوپرے کی بٹیا ہو اس میں عقل ہی کہاں سے آنے لگی اور آئے گی بھی تو کتنی

آئے گی - بیچارہ چار دفعہ انٹرنس کے امتحان میں بیٹھا اور سب مضمونوں میں فیل ہوا - اللہ نے ماں باپ کو روپیہ دیا تھا - جھٹ اُٹھا ولایت بھیجدیا - ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ولایت کی آب و ہوا ہي کچھ نئي ہے یا وہاں والے طالب علموں کو کتابیں گھول کو پلا دیتے ہیں کہ یہاں سے اں پڑہ جاؤ اور تین چارھي برس میں بی اے - ایم اے - ال ال ڈي ہوکر آجاؤ - یہاں ناصر کے ساتھہ بھي یہي ہوا یا تو کسي طرح انٹرنس پاس ھي نہ ہوتے تھے یا ولایت جاتے ھی زناژن امتحانوں میں پاس ہونے لگے اور تین ھي برس میں بي اے ہوکر ڈاکٹري کی جماعت میں شریک ہوگئے - بڑي نوابي سے وہاں پانچ برس گذرے امتحان میں بیٹھے پاس ہوئے اور سند مل گئي کہ آج سے اس شخص کو اختیار ہے جس کو چاہے زہر دیکر مار ڈالے جس پر چاہے چھری چلا دے جس کو چاہے عدم‌آباد پہنچا دے ، کسي قانون کے رو سے اس کے مقابلہ میں ضرر شدید ، زہر خوراني یا قتل عمد کا مقدمہ قائم نہ ہو سکے گا - خیر پڑھائي سے فارغ ہوکر گھر آئے اور بہت دھوم دھام سے آئے - ماں باپ کے دل باغ باغ ہوئے ، قبرستان والوں کے ہاں عید ہوئی مریضوں اور بیماروں کي موت آئي - میاں ناصر نے اپني دوکان پھیلائی اور ملک‌الموت نے اُن کے نام سے اپنے دفتر میں ایک نیا کھاتہ کھول دیا .... ''

'' آزاد نگارستان[۱] اور دادا جان ''

'' مل گئي - آخر نگارستان کو آزادی مل ھی گئی - اور

---

۱ - نگارستان سے مراد چین نہیں ہے بلکہ وہ ملک ہے جہاں نگرز Niggers (کالي چمڑی والے) رہتے ہیں -

کیوں نہ ملتی - اس ایک آزادی کے لئے یہاں والوں نے کیا کیا جتن نہیں کئے - کھیتوں کی کاشتکاری چھوڑی ، نہروں سے پانی لینا چھوڑ دیا ، ولائتی کپڑے کا خریدنا چھوڑ دیا ، تجارت میں حصہ لینا چھوڑ دیا - بنکوں سے حساب کتاب چھوڑ دیا - دوکانوں پر چوکسی کی - شہروں پر ڈاکے ڈالے - ریلوں کے پل اڑائے - اپنے اور غیروں پر طپنچے چلائے ، فوجوں کی گولیاں کھائیں ، پولیس کے ظلم سہے ، جیل خانوں میں چھاؤنی چھائی ، پھانسیوں پر جان گنوائی - آخر آزادی آئی اور بڑے زور سے آئی - حکومت ملی اور پوری حکومت ملی - خیر ایک جھگڑا گیا مگر دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ حکومت کریں تو کیوں کر کریں ، اور حکومت کرے تو کون کرے " دادا جان قصبہ امن آباد کی طرف سے پارلیمان کے ممبر منتخب ہوئے ، چنانچہ اب شریک جلسہ ہونے کے لیئے روانہ ہورہے ہیں -

" .... دادا جان نے جھٹ پٹ روانگی کا سامان درست کرنا شروع کر دیا ، کہیں سے ڈھونڈھ ڈھانڈ کر کسی وقت وقتاں کا ٹاٹ کا بیگ نکالا - موچی کو بلوا کر جہاں جہاں سے چوہوں نے کاٹا تھا اس کو سلوایا گیا - دو جوڑے کپڑے لنگی میں لپیٹ کر اس میں رکھے گئے ناریل کا حقہ چلم تمباکو کوئلے اور دیاسلائی کی ڈبیہ اور خدا جانے کیا کیا الا بلا اس میں ٹھونسی گئی - پرانی دری دھلوائی گئی - صاف چادر اور دو موٹے موٹے تکیے اس میں لپیٹ اور اوپر چھتری اور لٹھ رکھ ، سب کو بان سے کسا گیا - ٹین کے لوٹے میں رسی باندھ کر اس کو بستر ے میں لٹکایا گیا - داڑھی اور بالوں میں لوگوں کے بہت کہلے سنلے سے خضاب لگایا - چونکہ بچارے بالوں نے اس سے

پہلے یہ مصیبت کبھی نہیں اٹھائی تھی اس لیے ہر بال نے اپنی طبیعت کے موافق نیا رنگ اختیار کیا داڑھی سیاہی سے شروع ہوئی - آگے چل کر طاؤسی رنگ کی ہوئی - پھر اور آگے اودی ہوئی اور آخر ہلکے گلابی رنگ پر ختم ہوئی - سر کے بال ذرا اچھے رہے کیونکہ سب کے سب مل ملا کر کشمشی رنگ کی ٹوپی بن گئے -

چلنے کے دن صبح ہی سے دادا جان کا بناؤ شروع ہوا - موٹے گاڑھے کا کوئی تین گز کا منڈا سا باندھا - بدن پر گاڑھے کی مرزئی پہنی - گاڑھے کی تہمد پہنی - پاؤں میں ادھوڑی استر کا نعل دار جوتا پہنا - روپیوں کی ہمیانی کمر میں لپیٹی اور پارلیمان کے پورے ممبر ہو گئے - منجھولی میں بیٹھ کر گھر سے نکلے ...... اسی حیص بیص میں اسٹیشن آگیا - گاڑی کے آنے میں دیر تھی - دادا جان کو گھبراہٹ ہورہی تھی ، کبھی ریل کو برا بھلا کہتے کبھی ریل والوں کو - کبھی کہتے بھئی ہم سے یہ ریل ویل چلانی ذرا مشکل ہے - تم ہی دیکھو نا کہ پہلے کیا ٹھیک وقت پر آتی تھی اور آج آنے کا نام ہی نہیں لیتی ، میں نے کہا دادا جان اب ریل کے وقت بدل گئے ہیں کہنے لگے یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم لوگوں سے یہ کام سمٹتا نظر نہیں آتا - بھلا تم ہی بتاؤ کہ پہلے وقت میں کیا برائی تھی جو بیٹھے بٹھائے اس کو بدل دیا - نہیں بھئی یہ کام کچھ وہی لوگ اچھا چلاتے تھے - میں تو کمیٹی میں جاتے ہی کہوں گا کہ اس ریل کو پرانی سرکار کے ہاتھ بیچ ڈالو - اُن کی دیکھی بھالی چیز ہے وہی اُس کے کل پرزوں کو خوب سمجھتے ہیں - ہم نئے آدمیوں سے یہ کام نہ

سنبھلا ہے نہ سنبھلے گا - میں نے ہزار طرح سمجھایا کہ پہلے بھی ریلوں کے وقت بدلا کرتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ سمجھے اور یہی کہتے رہے کہ ریل کو تو میں بکوا کر رہوں گا - خیر خدا خدا کر کے ریل آ ہی گئي - میں دادا جان کو اول درجہ کے پاس لیکر گیا ، اُنھوں نے اندر جھانکا اور جھٹ باہر نکل آئے میں نے کہا اندر جائیے کہنے لگے یہ ہمارا درجہ نہیں ہے افسروں کا ہے ہم کو وہیں تیسرے درجہ میں لے چلو بڑی مشکل سے میں نے اُن کو اندر کیا وہاں پارلیمان کے دو اور ممبر بیٹھے تھے - اُنھوں نے جو اُن کي ہیئت کذائي دیکھی تو کہا Get out ! This is first class. (نکل جاؤ یہ اول درجہ ہے) - دادا جان انگریزی تو کیا خاک سمجھتے ہاں ان لوگوں کے چہرے اور الفاظ کے جھٹکے سے جان گئے کہ مجھے نکل جانے کو کہتے ہیں فوراً باہر آگئے پھر لاکھہ سر مارا کہ اندر جاکر بیٹھئے - ان لوگوں سے بھی کہا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں لیکن دادا جان کسي طرح راضی نہ ہوئے اور ساتھہ ھي میرے پیچھے پڑ گئے کہ ساتھہ چل - آخر میں نے بھي تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور بیگ بیڈنگ و دو گوش ان کے ساتھہ ریل میں سوار ہو گیا -

تھرڈ کلاس میں بیٹھہ کر دادا جان کي طبیعت کھلي - پہلے اپنا تھیلا کھولا - ناریل نکالا ، کوئلے جلائے چلم بھري اور اپنے ہمجلسوں سے مزے مزے کی باتیں کرنے لگے - اناج کے بھاؤ پر بحث ہوئي - سرکاری مالگذاري کے قصے چھڑے - مقدمات کا ذکر ہوا - نئي گورنمنٹ کے متعلق رائے زنی ہوئي - پارلیمان کے لیئے تحریکات مرتب ہوئیں غرض رات کے گیارہ بجے تک یہی

جھک جھک بک بک ھوتي رھي - میں تو کھڑکي میں سر رکھہ کر سو گیا معلوم نہیں یہ قصے کب تک چلے اور کب ختم ھوئے - ھاں صبح جب میري آنکھہ کھلی تو دیکھا کہ دادا جان اسي طرح اپنے یار دوستوں میں بیٹھے چلم کے دم لگا رھے ھیں ......"

کوئي گیارہ بجے پارلیمان کے دروازہ پر جا پہنچے - دادا جان نے بسم‌اللہ کہہ سیڑھیاں چڑہ ' عمارت کے عالی شان پھاٹک میں قدم رکھا - دروازہ ھي پر افسر نے ٹکٹ مانگا - ان کے پاس دو ٹکٹ آئے تھے ایک سبز اور دوسرا سفید - معلوم ھوتا ھے سفید ٹکٹ گیلري کا تھا اور سبز ٹکٹ ممبري کا - سفید ٹکٹ شاید اس لئے آیا تھا کہ اگر کسی دوست کو لانا چاھو تو لا سکتے ھو - اُنھوں نے سفید ٹکٹ نکال کر افسر کے ھاتھہ میں دیا اس نے دو منزلہ کي جو سیڑھیاں تھیں ان کي طرف اشارہ کر دیا - یہ نعل دار جوتے سے کھٹ کھٹ کرتے سیڑھیوں پر چڑھے کوئی چار پانچ ھي سیڑھیاں چڑھے ھونگے کہ سپاھی نے ھونٹوں پر انگلیاں رکھہ کر خاموشي کا اشارہ کیا انھوں نے ذرا آھستہ آھستہ پاؤں رکھنے شروع کئے مگر اِس سے کیا ھوتا تھا سنگ مرمر کي سیڑھیاں تھیں اور نعلدار جوتا - لاکھہ دبا کر پاؤں رکھتے وہ کھٹ کھٹ کہاں جاتي تھي - تھوڑے ھی اوپر گئے ھونگے کہ دوسرے سپاھی نے وھی خاموشي کا اشارہ کیا اب ان کو سوائے اسکے کچھہ نہ سوجھي کہ جوتیاں اُتار بغل میں دبا لیں اور ننگے پاؤں اوپر چڑھیں چنانچہ اس طرح یہ مشکل آسان ھوئي - سیڑھي کي طرف جو دروازہ تھا اس پر ایک پہرہ‌دار کھڑا تھا - اُس نے بایاں ھاتھہ پھیلا کر اشارہ کیا کہ آگے جاؤ - یہ سڑک کے انتظام میں پولیس کے سپاھي کي

حرکات کا مطالعہ اچھی طرح کر چکے تھے سمجھے کہ اس دروازہ میں جانے کو کہتا ہے جھٹ ڈبکی مار اس کے ہاتھہ کے نیچے سے گذر دروازہ میں داخل ہوئے -

شامت اعمال سے یہ گیلری عورتوں کی تھی - عورتوں نے جو دیکھا کہ ایک دھقاں جوتیاں بغل میں دبائے اندر گھسا آ رہا ہے تو غل مچا دیا - کسی کو چکر آیا کوئی گھبرا کر کھڑی ہوگئی - ایک بیگم صاحب نے بے دم ہو کر دادا جان کے کندھے پر سر رکھہ دیا - نیچے پارلیمان کا اجلاس ہو رہا تھا - اس غل شور سے وہ بھی بند ہو گیا - سب لوگ پھر پھر کر عورتوں کی گیلری کی طرف دیکھنے لگے.........آخر نیچے سے دو تین افسروں نے آ کر دادا جان کو اس گیلری سے نکال کر زبردستی مردوں کی گیلری میں ٹھونس دیا -

یہ تھوڑی دیر تک تو پریشان حال بیٹھے رہے جب ذرا طبیعت سنبھلی تو اپنی جگہہ سے اُٹھے اور لوگوں کی کھنیاں کھاتے ' دھتکاریں سنتے گیلری کے جنگلہ تک پہنچے اور جنگلہ پر دونوں کہنیاں ٹیک جھک کر نیچے کا تماشا دیکھنے لگے لوگوں نے ہٹانا بھی چاہا - ٹانگوں میں چٹکیاں بھی لیں مگر یہ کیا ہٹنے والے اسامی تھے - تھوڑی دیر کے بعد ایک صاحب سے پوچھا ارے بھئی یہ نیچے کیا ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ پارلیمان کا اجلاس ' پھر سوال کیا کہ نیچے جو لوگ بیٹھے ہیں یہ کون ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں اتنا سننا تھا کہ دادا جان نے نعرہ مارا کہ ٹھرو ٹھرو ہم کو بھی نیچے آنے دو یہ ہمارے بغیر کیوں اجلاس کیا جا رہا ہے اس آواز سے سب لوگوں کی نظریں مردانہ گیلری کی طرف خود

بخود پھر گئیں کیا دیکھتے ہیں کہ وہی صاحب جو پہلے زنانہ گیلری میں آفت بپا کر چکے تھے اب دوسری گیلری میں کھڑے اجلاس بند کرنے کا حکم دے رہے ہیں - لوگوں میں گھسر پھسر شروع ہوئی صدر نشین نے بڑے زور سے '' خاموش '' کہا دادا جان سمجھے مجھے خاموش کرنے کو کہا جا رہا ہے وہیں سے چیخ کر بولے آخر ہم کیوں چپ رہیں - ایک تو بغیر ہمارے کمیٹی شروع کر دو اور پھر یہ کہو کہ چپ رہو ' ہم یہاں بولنے آئے ہیں یا چُپ رہنے کو .... '' -

---

'' ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی '' -

'' میں نے دانی سے کہا کہ بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی اب مرے کہنے سے تم سائنس لے لو جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے کہ '' مرتا کیا نہ کرتا '' وہ راضی ہوگئے - دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رہا - لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بجائے دو سال کے تین سال میں شریک امتحان ہونا پڑے گا '' سنگ آمد و سخت آمد '' جب '' وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے '' کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ہوئی - دونوں سر ملاکر بیٹھے ' مشورے کئے ' رزولیشن پاس ہوئے - آخر یہ تجویز پاس ہوئی کہ '' خاک از تودہ کلاں بردار '' کے مقولے پر عمل کر کے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاہیے - دلی میں دو تین

بڑے عربی داں مانے جاتے تھے - ایک مولوی محمد اسحاق صاحب دوسرے شمس العلما مولوی ضیاءالدین خاں صاحب ال ال ڈي اور تیسرے مولوی نذیر احمد خاں صاحب - پہلے کو تو دیوانگي سے فرصت نه تھي - قرعه دوسرے صاحب پر پڑا ' گرمیوں کا زمانه تھا - مولوي ضیاءالدین صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفه پڑھا کرتے تھے - ہم دونوں نے بھي جاکر شام ھي سے جامع مسجد کي سیڑھیوں پر ڈیرے ڈالدئے آٹھ بجے نو بجے دس بج گئے - مولوي صاحب نه آج نکلتے ھیں نه کل - خدا خدا کر کے دروازہ سے قندیل نکلتی معلوم ہوئي - ہم دونوں بھي ھاتھ پاؤں جھٹک کر خوشامد کے فقرے سوچ کھڑے ہوگئے - ہم آخر سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لیے دروازہ میں سے پہلے قندیل نکلتي نظر آئي اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے سے جہاز آتا دکھائي دیتا ھے اسي طرح پہلے مولوي صاحب کا عمامه اس کے بعد ان کا نوراني چہرہ ' سرمگیں آنکھیں ' سفید ریش مبارک ' سفید جبه اور سب سے آخر زرد بانات کي سلیم شاھي جوتیاں نظر آئیں .... ''

'' .... اندھا کیا چاھیے دو آنکھیں ' ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں سراج الدین صاحب کي دوکان پر پہنچے - یه دوکان فتح پوری کي مسجد کے قریب تھي جاکر کیا دیکھتے ھیں که مولوي صاحب بیٹھے سراج الدین سے کچھ رقم کا حساب کر رھے ھیں - ہم نے جاتے ھي فراشي سلام کئے اور خاموش تخت کے کونے پر بیٹھ گئے - سراج الدین صاحب نے خیریت پوچھي - عبدالرحمن ھمارے پاس آ بیٹھے - مگر مولوي صاحب روپیوں

کے حساب کتاب میں اسقدر مشغول تھے کہ اُنھوں نے دیکھا بھی نہیں کہ کون آیا کون گیا - میں نے سوچا کہ معاملہ یہاں بھی پٹتا معلوم نہیں ہوتا - دھتکار سنکر یہاں سے بھی نکلنا پڑے گا - سچ ہے مایوسی انسان کو ہمت والا بنا دیتی ہے - '' مرتا کیا نہ کرتا '' میں نے بھی سوچ لیا '' آج اِس پار یا اُس پار '' - مولوی ضیاء الدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوی نذیر احمد صاحب سے دو دو ہاتھ ہو جائیں گے - قصہ مختصر مولوی صاحب حساب سے فارغ ہوئے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون ہیں - عبدالرحمن نے ہمارے نام بتائے کچھ اُلٹے سیدھے خاندانی حالات بھی بیان کئے اس کے بعد ہماری مصیبت کا بھی ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش ہو گئے - میں نے دل میں کہا '' پرائے برتے کھیلا جوا ، آج نہ موا کل موا '' اب میاں عبدالرحمن کو رہنے دو جو کچھ کہنا ہے خود کہہ ڈالو - کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے بھی بے نیل مرام با ضابطہ پسپائی ہو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا ، فرمانے لگے تو عربی چھوڑ دو سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت ہے - ہمارے یہاں مثل ہے '' پڑھیں فارسی بیچیں تیل یہ دیکھو قدرت کے کھیل '' فارسی پڑھکر تو تیل بیچ لوگے عربی پڑھ کر تیل بھی بیچنا نہ آئے گا '' -

---

اس سلسلہ میں بے جا نہ ہوگا اگر یہاں مرزا صاحب کے مضمون (محولا بالا) کا ایک اور حصہ ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کر دیا جائے -

"............ محاوروں کی بھرمار کے متعلق اکثر مجھ سے ان کا جھگڑا ہوا کرتا تھا میں ہمیشہ کہا کرتا تھا ، مولوی صاحب (ڈاکٹر نذیر احمد صاحب) اپنے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کر لی ہے اور کسی نہ کسی محاورہ کو آپ کسی نہ کسی جگہ پھنسا دینا چاہتے ہیں خواہ اس کی گنجائش وہاں ہو یا نہ ہو - جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کی ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوی ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دہلی والے ہیں .... مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئی رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہی میں " خطائے بزرگاں گرفتن خطا است " کی سب سے بڑی ٹھوکر ہے .... محاوروں کے استعمال کا شوق مولوی صاحب کو حد سے زیادہ تھا تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کی ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے اور بعض اوقات ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے خدا معلوم انھوں نے محاوروں کی کوئی فرہنگ تیار کر رکھی تھی یا ، کیا ایسے ایسے محاورے ان کی زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے جو نہ کبھی دیکھے نہ سنے .... " -

محاورے کی " ٹھونسم ٹھانس " پر مرزا صاحب اپنے استاد سے کافی برہم نظر آتے ہیں لیکن جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے شاگرد اور استاد ، اس سلسلے میں ایک ہی تھیلی .... نہیں .... ایک ہی ٹھیکرے .... لیکن لاحول ولاقوۃ یہ مرض تو کچھ متعدی سا معلوم ہوتا ہے !

مرزا صاحب کا یہ مضمون '' مرقع نگاری '' کا بہترین نمونہ ہے - اس کا جواب شاید اردو ادب میں معدوم ہے !!

سجاد علی انصاری مرحوم بی - اے (علیگ) - سجاد اور مہدی (افاوی مرحوم) اُردوئے جدید کے رنگ و بو تھے - ان کو اُردو کا نشأۃالثانیہ کہنا روا ہے - ذوق صحیح اور طنزیات جدید کا امام آہ کہ دنیا سے ابھی اُٹھا ہے - سجاد مرحوم اپنے معتقدات کے اعتبار سے کچھہ ہی کیوں نہ رہے ہوں - ان کے اُٹھہ جانے سے اُردو کی محفل میں ایسی جگہہ خالی ہوئی ہے جس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا آسان نہیں ہے - وہ محتسب نہیں فصاد تھے اور بے پناہ اور کامل‌الفن فصاد - اُنہوں نے '' بدمذاقی '' اور '' بدتوفیقی '' کی رگ و پے پر خوب خوب نشتر زنی کی ہے - انہوں نے فریب کو کبھی پلپنے نہ دیا - بعض طبائع کو ان سے ناگواری بھی پیدا ہوئی لیکن بلحاظ مخاصمت ، معتقدات تھے نہ کہ ان کا آرٹ ! واقعہ یہ ہے کہ سجاد کو فریب سے دشمنی تھی اور وہ بھی ازلی ، وہ ہر فریب سے بیزار تھے خواہ اس کا اثر دوسروں پر پڑتا یا اس کا مورد خود '' فریبی '' ہوتا - وہ مذہب نہیں '' مذہبی '' کے درپے تھے - اس میں شک نہیں وہ اصلاح کے قائل نہ تھے ان کا ایمان صرف جہاد پر تھا - جہاد کامیاب ہوا ہو یا نہ ہو سجاد یقیناً کامیاب رہے !

سجاد مرحوم کا عقیدہ تھا کہ لطافت خیال ہی خلاصہ کائنات ہے اور لطافت خیال معتقدات کی کورانہ پیروی سے بالا تر ہے - سجاد کی خصوصیت انشا یہ تھی کہ وہ جو کچھہ کہتا

چاهتے تھے جلد از جلد اور کم سے کم الفاظ میں کھدیا کرتے تھے - طنزیئین کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے سے قبل واقعات کی ترجمانی کریں - اگر یہ نہیں تو پھر اسے طنزیات نہیں سیاسیات قرار دینا چاہیے اسی وجہ سے طنزیات کی وادی نہایت پر خطر ہے ' یہاں مفاہمہ نہیں صرف مصادمہ ہے - نظر بریں اس فریضہ سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے انتہائی جراءت ' صحت ذوق اور قدرت بیان کی ضرورت ہے - سجاد مرحوم ان صفات کے مسولینی تھے ' قوموں کی مانند ادبیات کی زندگی میں بھی ایک دور ایسا آتا ہے جب اس میں مصطفیٰ کمال اور مسولینی کا پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے -

سجاد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ' محشر خیال ' کے نام سے شائع ہو چکا ہے ' یہاں جستہ جستہ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں -

'' تجلیات ''

'' مدعیان علم و حکمت عقلمندوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور مدعیان زہد و تصوف بیوقوفوں کو .... آج کل اعمال حسنہ کی تلقین صرف وہ بد مزاق کر سکتا ہے جس میں زاہد خشک کی بد نصیبیاں اور جوان صالح کی بد توفیقیاں فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہوں .... ''

'' سعی ناکام دعاء مقبول سے برگزیدہ تر ہے ' کوششوں میں عظمت انسانی مضمر ہے لیکن دعا انسانیت کا ایک اعلان شکست ہے جس کے ذریعہ سے انسانی مجبوریوں کا راز ان فرشتوں پر بھی منکشف ہو جاتا ہے جو کسی طرح اس انکشاف کے اہل

نہیں .... علما ہر مسئلہ کو صرف و نحو سے سمجھانا چاہتے ہیں - یہی سلوک انہوں نے خدا کے ساتھہ بھی کرنا چاہا لیکن وہ قادر اور توانا ہے - اس نے انسانی دماغ کو کامل شکست دیدی -- وہ جانتا ہے کہ انسان فلسفہ اور منطق کے ہر کلیہ سے اس کو محصور کرنا چاہیگا - اسی لئے حفظ ماتقدم کے اصول پر اس نے اپنی ذات میں تمام متضاد صفات مجتمع کر لیں تاکہ انسان کی عقل بےکار ہو جائے - اس کی ہر منطق مجبور اور اس کا ہر فلسفہ لایعنی ثابت ہو ''

'' مذہب و اخلاق ''

'' .... ایران کے متعلق دنیا کو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ ایک طور ہے جس پر حقائق رنگیں کی تجلیاں پرتوافگن ہوتی ہیں -

لیکن میں اس کا قائل نہیں - اگر ایرانیوں میں مذاق سلیم کی نیرنگیاں اور حِس لطیف کی رنگینیاں ہوتیں تو وہ قرۃالعین کی بربادیوں کے متحمل نہ ہو سکتے اگر کوئی صحیح موقعہ سلطنت کے نظم و نسق '' علماء کرام '' کے اجتہاد اور جماعت کے طریقہ کار کے خلاف بغاوت کرنیکا تھا تو یہی تھا جب قرۃالعین عبرت ناک مظالم کے ساتھہ ہلاک کر دیگئی - ان سفاکیوں کی ذمہ دار حقیقتاً وہ جماعت ہے جو زعم کثرت میں انفرادی عظمتوں کو برباد کرتی رہتی ہے اور وہ '' پاسبانان مذاہب '' جو ہمیشہ پاسبانی کے پردہ میں بہیمیت کے کرشمے دکھلاتے رہے !

مجھے عقبیٰ سے کوئی دلچسپی نہیں ، البتہ اس کا منتظر ضرور ہوں - میں قرۃالعین کے قاتلوں کا حشر دیکھنا چاہتا ہوں - میرا عقیدہ ہے کہ خدا غلط مواقع پر رحم و کرم کو دخل نہیں دیتا وہ حسن کی لطافتوں کا بھی معرف ہے اور شباب کی رنگینیوں کا بھی - وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے مظاہر لطیف کو دنیا والے اس بے دردی کے ساتھہ پامال کر دیں !

'' حقیقت عریاں ''

فرشتے کی انتہا یہ ہے کہ شیطان ہو جائے - ایک حقیقت جب منتی ہے دوسری حقیقت ہو جاتی ہے - خدا نے ابتدا میں صرف فرشتوں کو پیدا کیا تھا اس وقت تخلیق شیطنت کی ضرورت ہی نہ تھی وہ جانتا تھا کہ خود ملکوتیت میں عناصر شیطنت مضمر ہیں - سلسلۂ ارتقاء سے شیطان خود بخود پیدا ہو جائے گا - معلم الملکوت کی فطرت میں ملکوتیت کے وہ تمام عناصر مکمل ہو چکے تھے جو تخلیق شیطنت کے لئے لازمی تھے - فطرتاً اس کے لئے یہ محال تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ملکوتیت پر قانع رہے - وہ شیطنت پر مجبور ہوگیا اس کے سامنے ایک نئی حقیقت کی وسعتیں پیدا ہو گئی تھیں - وہ کسی طرح فرشتہ نہیں رہ سکتا تھا .... شیطنت ایک حقیقت تھی جسے کوئی فرشتہ نہیں جھٹلا سکتا تھا .... ''

مولانا نیاز فتحپوری نے ایک جگہہ لکھا ہے ،

'' مزاح نگار کی حیثیت سے اس وقت پطرس ، رموزی ، رشید اور عظیم چغتائی بہت مشہور ہیں .... چغتائی صاحب

کي مزاح نگاري اکثر و بيشتر منحصر ہوتي ہے صرف پلاٹ يا واقعات پر يعني وہ حالات ايسے پيش کرتے ہيں جو مشاہدے کے بعد يوں بھي ہر شخص کو ہنسا سکتے ہيں رموزي کي مزاح نگاري منحصر ہے اس امر پر کہ وہ الفاظ يا فقروں کا استعمال ان کے عام متبادر معني سے ہٹ کر کرتے ہيں - رشيد صاحب کي مزاح نگاری کا دور اولين فلسفيانہ مزاح نگاری کا بہترين نمونہ تھا - ليکن اب ايسا معلوم ہوتا ہے کہ شايد ان کا دماغ زيادہ تھک گيا ہے اور وہ غور و تامل کي کلفت ميں نہ خود مبتلا ہونا چاہتے ہيں نہ کسي اور کو مبتلا کرنا چاہتے ہيں تاہم کوئي نہ کوئي سنجيدہ نتيجہ ان کي تحرير سے ضرور پيدا ہوتا ہے - پطرس کي مزاح نگاری بڑي حد تک مغربي رنگ کي ہے جس ميں واقعہ و انداز بيان دونوں سے مضحک کيفيات پيدا ہوجاتي ہيں ليکن نتيجہ کے لحاظ سے ہمارے لئے يہ کہنا دشوار ہو جاتا ہے کہ اس ميں واقعي کسي تلخ حقيقت (grim reality) کا مطالبہ پيش کيا گيا ہے - حالانکہ ايک مزاح نگار کا حقيقي کمال يہي ہے - شوکت کي مزاح نگاري بھي اس خصوصيت سے معرا ہے اور وہ بھي قطعي طور پر اپنے موضوع سے گذرنا چاہتے ہيں ليکن اس کے ساتھہ ان کے يہاں زبان کا لطف ، مشاہدہ ، جزئيات اور لطافت خيال يہ سب اس قدر خوبي کے ساتھہ ملے ہوئے نظر آتے ہيں کہ وہ اپني فضا خاص پيدا کر ليتے ہيں .... ‘‘ -

’’ پطرس ، رموزي ، اور عظيم چغتائي کے بارہ ميں مولانا نياز نے جو کچھہ فرمايا ہے اس کے صحيح يا غير صحيح ہونے کي ذمہ‌داري خود ان پر يا پھر اس ’’ تثليث ‘‘ پا

بقول¹ شخصے ''تکلم'' پر عائد ہوتی ہے - البتہ '' رشید صاحب '' کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کا کم سے کم یہ فقرہ

'' شاید ان کا دماغ زیادہ تھک گیا ہے ''

قطعاً صحیح ہے بشرطیکہ دماغ کے ساتھ اب قلم بھی شامل کر لیا جائے - چنانچہ بقیہ آیندہ اڈیشن میں !

---

۱ - تثلیث کا مفہوم تکلم سے ادا کرنا ' یاد نہیں آتا کسکی جدت طبع ہے - ممکن ہے خود میری ہو ممکن ہے کسی اور '' صدیقی '' کی ہو -

یہ کتاب

یہ کتاب اب ایک فرسودہ کتاب ہے۔
میں ایک کالج طالب علم ہوں اس لئے یہ از بس
ضروری ہے کہ اس کا مطالعہ نہ کیا جائے
اس سے دماغی خرابی طاری ہو جاتی
ہے۔ یہ تعلیم نسواں کے خلاف ہے۔ الخ

فقط مخلص۔ شوہر پرست بیوی
بیگم
بلکہ لیڈی

Ghula

اغلاط نامہ

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۲ — ۶	معمولی	معمول	۴ — ۱۰	کا پہلو	کا یہ پہلو
۲ — ۷	ہوتے	ہو گئے	۴ — ۱۹	اسیمٹن	اسمیٹن
۲ — ۱۴	دیوتاؤں	...	۴ — ۲۰	کے	کی
۳ — ۱۱	اُنھیں	اِنھیں	۱۱ — ۵	غیر	..
۳ — ۱۴	,,	,,	۱۲ — ۱۶	خیطبانہ	خطیبانہ
۳ — ۱۶	ہونے لگا	رکھنے لگے	۱۴ — ۵	راقم اسطور	راقم السطور
۴ — ۱۰	اسباب	اس باب	۱۷ — ۳	برتاسکا	برتانیکا
۴ — ۲۲	Laux	Lanx	۱۸ — ۱۶	فرد	فرو
۶ — ۱۲	کچھ بعد	کچھ عرصہ بعد	۱۸ — ۱۶	لعن طعن	لعن و طعن
۱۰ — ۴	پیچید	پیچیدہ	۱۹ — ۲	قایم	قدیم

صفحہ — سطر	غلط	صحیح	صفحہ — سطر	غلط	صحیح
۲۰ — ۲	کی	کے	۲۶ — ۱۳	ناضرین	ناظرین
۱۰ — ۷	تمشیلہ	تمثیلیہ	۳۰ — ۱۲	یر	بر
۲۰ — ۸	کے	کی	۳۱ — ۹	تشیلد	نشیلد
۲۰ — ۱۱	اِن	اُن	۳۱ — ۲۲	پیامدید	بیا لاید
۲۱ —	صفحہ ۱۶	صفحہ ۲۱	صفحہ ۳۲	۳۱	۳۲
۲۱ — ۱۵	لینڈسے	لنڈسے	۳۳ — ۲۰	اسلہ	اسلحہ
۴ — ۹	اس زدگی	اس میں زندگی	۳۵ — ۶	گفیتم	گفتیم
۲۳ — ۱۵	لفظوں	الفاظ	۳۶ — ۱	املع	املح
۲۵ — ۲	سے	ہے	۳۶ — ۱۱	ابوالحق	ابواسحق
۲۶ — ۳	استعدار	استعداد	۳۷ — ۲۱	معزرت	معذرت
۲۷ — ۲۱	اتفات	التفات	۴۰ — ۶	املع	املح

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۴۴ — ۷	ایرنی	ایرانی	۸۹ — ۶	آتی	آئي
۴۷ — ۱۳	سودا کے	سودا کا	۸۶ — ۱۲	گوماتی	گرماتي
۴۸ — ۴	میں	ھے	۸۸ — ۳	کاشنس	کانشنس
۵۱ — ۱۳	انھوں فرمایا	انھوں نے فرمایا	۸۸ — ۸	کڑے	لڑے
۵۱ — ۲۰	یہ	پہ	۹۵ — ۱۱	استعفا	استغنا
۶۰ — ۱	اوت	ادت	۱۰۰ — ۱۱	ازاد	سرشار
۶۱ — ۶	جوب	خوب	۱۰۳ — ۱۸	خیر	جن
۷۶ — ۱۵	چلک	چاک	۱۰۵ — ۱۳	اذل	ارذل
۷۷ — ۱	چھر	چھرہ	۱۱۳ — ۳	لساالعصر	لسان العصر
۷۹ — ۷	س	اِس	۱۱۴ — ۱۶	ھجائیں	ھو جائیں
۸۳ — ۴	گوئي	کوئی	۱۱۵ — ۱۶	گھہر	گھیر

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۱۳۶—	صفحہ ۱۳۶	۱۳۱	۱۴۲—۶	تول	قول
۱۳۶—۳	اس	کي	۱۴۲—۶	تطبق	تطابق
۱۳۶—۳	زیادہ هو	زیادہ سیاہ	۱۴۲—۱۵	قویم	قدیم
۱۳۸—۷	بڑکے	بڑے	۱۴۴—۶	جر	جو
۱۳۸—۱۸	هتیار	هتهیار	۱۴۸—۱۱	کر نہ	کرکے
۱۳۸—۲۲	ملسح	مسلح	۱۵۳—۳	لوگرن	لوگوں
۱۳۹—۱۲	شہزدہ	شہزادہ	۱۶۰—۱۹	گرینگے	کرینگے
۱۴۰—۵	نوچ	نوچ	۱۶۷—۱۱	سرقیانہ	سوقیانہ
۱۴۰—۱۴	اور	..	۱۶۸—۶	مخائف	صحائف
۱۴۱—۱۷	وهی	دهی	۱۶۸—۱۷	حسن	حُسین
۱۴۱—۲۰	گلسغی	گللسي	۱۶۹—۸	حسن	حُسین

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۱۷۹—۱۷	بعیت	بیعت	۲۰۶—۱۶	لپٹے	لپٹے
۱۸۰—۲۲	حکیم برحم	حکیم برہم	۲۰۷—۱۰	خانوانوں	خاندانوں
۱۹۰—۱۹	تغریب	تخریب	۲۰۷—۱۳	فیچ	نیچ
۱۹۴—۳	تغزش	لغزش	۲۰۸—۳	تیز	تن
۱۹۴—۲	الهذي	الہذی	۲۱۰—۱۸	اضطواری	اضطراری
۱۹۵—۹	بلے	بالے	۲۱۱—۱۲	نزیر	نذیر
۲۰۲—۱۳	کے	وہ	۲۱۲—۱۷	راشدالغیری	راشدالخیري
۲۰۲—۱۴	وهي	وهبي	۲۱۳—۱۸	تھی	ہے
۲۰۳—۲۰	هو	هوا	۲۲۳—۱۸	دیکھئے	دیکھے
۲۰۴—۱۳	اسفندیار	اسفندیاري			
۲۰۵—۲-۳	سکتات	سکنات			

هند

۱ -

۲ -

۳ -

۴ -

۵ -

۶ -

۷ -

۸ -

۹ -

۱۰ -

۱۱ -

۱۲ - معاشیات پر لکچر۔ از ڈاکٹر ذاکر حسین، ایم اے، پی ایچ - ڈی۔
غیر مجلد ۱ روپیہ - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۱۳ - فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت ایک روپیہ

۱۴ - مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ، ایم - اے -
قیمت چار روپئے

۱۵ - جواہر سخن جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی -
قیمت مجلد ۵ روپیہ - غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ

سول ایجنٹ کتابستان ، الہ آباد